ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

قرآن مجید کی تاثیر

''جب قرآن مجید میں آدمی کا جی لگنے لگتا ہے، تو انسانی تصنیفات سے جی گھبرانے لگتا ہے، انسانی کتابیں، انسانی تحریریں، انسانی تقریریں پست اور بے مغز معلوم ہونے لگتی ہیں، ادباء اور حکماء اور مفکرین کی باتیں طفلانہ اور عامیانہ نظر آتی ہیں جن میں کوئی گہرائی اور پختگی نہیں معلوم ہوتی، سفید کاغذ پر چھپے ہوئے سیاہ نقش ونگار کاغذی پھول معلوم ہوتے ہیں جن کا رنگ ہے خوشبو نہیں، انسان کا علم اتھلا اور خالی معلوم ہونے لگتا ہے، اور اس کا دیر تک پڑھنا ذوق اور روح پر بار ہوتا ہے، ہر وہ چیز علوم نبوت کے سرچشمہ سے نہ آئی ہو، مشتبہ اور الفاظ کا طلسم معلوم ہوتی ہے، تسکین صرف وحی ونبوت کے راستے سے آئے ہوئے علم سے ہوتی ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے دنیا تک پہنچایا، اور جو وحی کی زبان میں قرآن مجید میں محفوظ ہے۔''

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

مرکز الإمام أبي الحسن الندوي

دار عرفات، تکیۂ کلاں، رائے بریلی

FEB 16

₹10/-

قرآن مجید کا سب سے بڑا معجزہ اسلام ہے

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (سابق صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ)

''قرآن مجید نے دنیا میں مذہب وعقائد کا ایک آخری ہدایت نامہ پیش کیا ہے، جس سے زیادہ محکم اور مفصل مذہبی ہدایت نامہ دنیا میں آج تک پیش نہیں ہوا، اس سے پہلے کے مذاہب بھی (چونکہ وہ اپنے اپنے وقت کے لیے تھے) اس لیے اس کے مقابلہ میں ناقص ہیں اور چونکہ آسمان کا آخری صحیفہ زمین پر آچکا ہے، اس لیے یہ آخری ہدایت نامہ ہے، اس سے زیادہ انسان کو اپنے خالق سے مربوط کرنے والا اور اس کی زندگی میں للّٰہیت اور روحانیت پیدا کرنے والا، ان تمام گمراہیوں اور بے اعتدالیوں سے دور رکھنے والا جس میں مذہبی قومیں مبتلا ہوئیں اور مبتلا ہیں، کوئی ہدایت نامہ انسانی تصور کی گرفت میں نہیں آسکتا، اسی طرح انسان کی اس زندگی کے لیے ایک آسمانی، اخلاقی و مدنی دستور عطا کیا، جو دنیا میں بہترین اخلاقی و اجتماعی نتائج پیدا کرنے کا ذمہ دار ہے، اور اس نے پیدا کر کے دکھلائے، جو کسی اور طریقہ پر آج تک ظہور پذیر نہیں ہوئے وہ اجتماع انسانی کے ان تمام مسائل و مشکلات کو جو آج تک پیش آئے یا قیامت تک پیش آسکتے ہیں، اپنے معجزانہ طریق پر ذرا ذرا سے اشارات سے حل کر دیتا ہے، وہ ایسے اصول وکلیات عطا کرتا ہے جن کی بنیاد پر ہر زمانہ میں دنیا کا بہترین معاشرہ قائم کیا جاسکتا ہے، اور ہر جگہ حیات انسانی کی نئی تنظیم ہوسکتی ہے، وہ چونکہ الٰہی ہے اس لیے تمام انسانی غلطیوں، قانون سازی کے نقائص اور قیاسات سے پاک ہے، وہ چونکہ آخری ہے اس لیے ہر قسم کی تکمیل واضافہ سے مستغنی ہے، وہ چونکہ عالم گیر ہے اس لیے قومی و مقامی خصوصیات سے منزہ ہے، وہ چونکہ دائمی ہے اس لیے ہر قسم کے تغیر و نسخ سے آزاد ہے، وہ چونکہ کامل ہے اس لیے اس کے لیے کسی ضمیمہ کے الحاق کی ضرورت نہیں۔

اس کے نفاذ کی حالت میں وہ مسائل و مباحث پیش ہی نہیں آتے جنہوں نے ہزاروں برس سے نوع انسانی کے مفکرین اور علم الاجتماع کے ماہرین کے دماغوں کو مشغول رکھا ہے، اور جن کا آخری حل کبھی بھی پیش نہیں ہوا، اور کتنے معاشی و سیاسی مسائل ہیں جو اس ماحول میں پیدا نہیں ہوتے، ہزاروں برس کی غلطیوں اور تجربے کے بعد دنیا کے مفکر جس نتیجہ پر پہنچے ہیں، قرآن نے تیرہ سو برس پہلے ایک امی کی زبان سے پہلے ہی بیان کر دیا، یہ ہدایت نامہ اور یہ دستور جس کا نام اسلام ہے خدا کی کاریگری اور حکمت کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

اور چونکہ اس اسلام کے اصول وکلیات قرآن سے ماخوذ ہیں اور قرآن ہی نے ان کو دنیا کے سامنے پیش کیا، اس لیے وہ اسی کا پیش کیا ہوا ایک معجزہ ہے۔

قرآن کے اس معجزہ کی تشریح اور اس کے وجوہ اعجاز کو نمایاں کرنا درحقیقت اسلام کی پوری تشریح ہے جس کے لیے کتب خانے بھی کافی نہیں، ان میں بعض چیزیں اپنے اپنے محل پر بھی آئیں گی، عقائد کے باب میں اس کے عقائد کی معجزانہ ساخت اور ان کی معجزانہ تکمیل، اخلاق و معاشرت کے ضمن میں قرآن کی معجزانہ جامعیت وحکمت پر غور کرنے کی ضرورت ہے، ان نکات واسرار کا استقصاء اور اس کے محاسن کا احاطہ کسی انسان سے کسی زمانہ میں بھی ممکن نہیں۔''

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں ایک ساتھ شائع ہونے والا

پیام عرفات

مرکز الامام أبی الحسن الندوی
دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

جلد: ۸ | فروری ۲۰۱۶ء | شمارہ: ۲

سرپرست: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ (صدر، دارعرفات)

نگراں: مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ (جنرل سکریٹری، دارعرفات)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی | مفتی راشد حسین ندوی | عبدالسبحان ناخدا ندوی
محمود حسن حسنی ندوی | محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی

ہدایت نامہ

﴿قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ ☆ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنِ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾

(تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور کھلی کتاب آچکی ہے جو بھی اللہ کی خوشنودی چاہتا ہے اس کے ذریعہ سے اللہ ان کو سلامتی کی راہوں پر ڈال دیتا ہے اور اپنے حکم سے ان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آتا ہے اور ان کو سیدھا راستہ چلاتا ہے)

(المآئدۃ: ۱۵-۱۶)

سالانہ زرتعاون: Rs.100/-

www.abulhasanalinadwi.org

ماہانہ زرتعاون: Rs.10/-

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر ''پیام عرفات'' مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارِعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

E-Mail- markazulimam@gmail.com

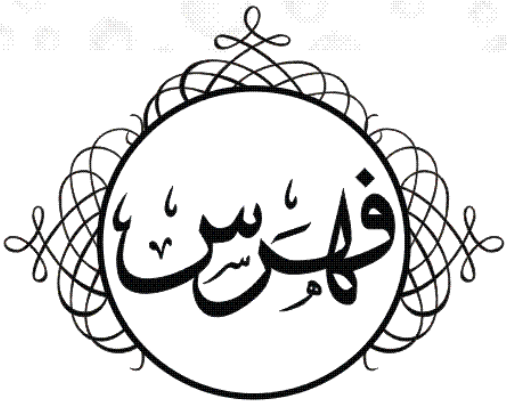

طاقت کا نشہ (اداریہ) ۳
بلال عبدالحی حسنی ندوی

اسلامی سزائیں اور ان کی حکمتیں ۴
مولانا سید محمد الحسنیؒ

نزول قرآن کا مقصد ۵
حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہٗ

مسلمان کی عزت وآبرو ۷
مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

سیرت نبوی ﷺ - قرآن کریم کے آئینہ میں ۹
بلال عبدالحی حسنی ندوی

نماز کے آداب ومستحبات ۱۱
مفتی راشد حسین ندوی

قرآن کریم کا طریقۂ تعلیم ۱۳
عبدالسبحان ناخدا ندوی

ماہِ ربیع الاول کا پیغام ۱۷
خلیل حسنی ندوی

جنوں کا نام خرد ۱۸
مفتی تقی عثمانی مدظلہٗ

قیامت کی نشانیاں ۱۹
محمد ارمغان بدایونی ندوی

مغرب کی اسلام دشمنی ۲۰
محمد نفیس خاں ندوی

ترے نام کی شوکت

نتیجۂ فکر: صوفی عبدالرب صوفیؔ

اے خدا تیری مہک پھیلی ہے گلزاروں میں
اے خدا نور چمکتا ہے ترا تاروں میں
نام رٹتا ہے ترا باغ میں پتہ پتہ
سنگ ریزے ترا دم بھرتے ہیں کہساروں میں
خشک صحرا میں ترے نام کی خاموشی ہے
اور رونق ہے ترے کام کی بازاروں میں
نہیں تسبیح میں مصروف فقط غنچہ و گل
اے خدا تذکرہ ہوتا ہے ترا خاروں میں
لہلہاتے ہوئے پودوں میں تری شادابی
اور خشکی ہے تری سوکھے ہوئے خاروں میں
دودھ پیتے ہوئے بچے بھی نہیں ہیں خاموش
تیری معصوم ثنا خوانی ہے گہواروں میں
لال چہرے میں مجاہد کے جھلک ہے تیری
اور چمک تیری ہے چلتی ہوئی تلواروں میں
لے کے آتے تھے ملائک تری نصرت کی نوید
غزوۂ بدر کے دن تیغ کی جھنکاروں میں
دھاک بیٹھی ہے غلامان نبی کی تیرے
آج بھی سارے زمانے کے جہاں داروں میں
تھی ترے نام کی شوکت ترے اسلام کی شان
اے خدا خالدؓ و فاروقؓ کی للکاروں میں
تیرے موسیٰ کی جلالت کا مرقع دیکھا
قصر فرعون کی ٹوٹی ہوئی دیواروں میں
اے خدا صوفیؔ مسکیں سے بھی راضی ہوجا
وہ بھی ایک عمر سے ہے تیرے طلب گاروں میں

مدیر کے قلم سے

طاقت کا نشہ

بلال عبدالحی حسنی ندوی

پوری دنیا اس وقت جس انتشار کا شکار ہے لگتا ہے کہ وہ بارود کے ڈھیر پر کھڑی ہے، اور کسی وقت بھی ایک چنگاری اس کا کام تمام کر دینے کے لیے کافی ہے، اور یہ سب کچھ انسان نے اپنے ہاتھوں سے کیا ہے، ہر طاقت والا اپنی طاقت کے نشے میں چور ہے، اس کو نہ انسان کی فکر ہے نہ انسانیت کی، اس کو صرف اپنی طاقت بڑھانے کا نشہ سوار ہے اور اگر کوئی دوسرا اپنی طاقت بڑھانے کے لیے ایک قدم آگے بڑھتا ہے تو ہر دوسرا اس کو کچلنا اپنی اہم ذمہ داری سمجھتا ہے، اس رسہ کشی کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا ایک جہنم کدہ بنتی جارہی ہے، خالق کائنات نے جس کو انسانوں کے لیے جنت نشاں بنایا تھا، اور اس کی نعمتیں انسانوں کے لیے پیدا کی تھیں، انسان اپنے ہاتھوں سے ان کو برباد کرنے پر تلا ہوا ہے، طاقت کے نام پر جو مظاہرے ہورہے ہیں اس کا اثر خشکی اور تری پر ظاہر ہورہا ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ﴾ (لوگوں کے ہاتھوں کی کمائی ہے کہ خشکی اور تری میں بگاڑ یعنی کرپشن پھیل گیا ہے)

یہ کرپشن دو طرح کا ہے، ایک انسانوں کے بیچ میں یہ کرپشن پھیل رہا ہے، اور دوسرا بگاڑ وہ ہے جس کا تعلق نظام عالم سے ہے، اور ہر شخص اس کا اعتراف کرنے پر مجبور ہے، مگر کوئی بھی اس کی اصلاح کی طرف قدم بڑھانا نہیں چاہتا۔

ہم انسانوں کی بداعمالیاں بھی دو طرح کی ہیں، ایک بدعملی وہ ہے جس کا تعلق آدمی کی ذاتی زندگی سے ہے، اس کا بھی اثر نظام عالم پر پڑتا ہے، اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ یہ ہمارا انفرادی معاملہ ہے تو یہ اس کی بھول ہے، اللہ تعالیٰ نے جس طرح اشیاء میں خواص رکھے ہیں، اسی طرح اعمال میں خاصیتیں رکھی ہیں، ہر عمل کا ایک اثر ہوتا ہے، جو کبھی تو فوری طور پر نظر آجاتا ہے، اور اکثر نظر نہیں آتا، دوسرے بدعملی وہ ہے جو اجتماعی ہوتی ہے، یہ اور زیادہ خطرناک ہے، سماج کے بگاڑ میں اس کا اثر زیادہ پڑتا ہے، اور اس میں بھی بعض ایسی متعدی بیماریاں ہوتی ہیں جو پورے نظام کو کرپٹ کردیتی ہیں، اور اس میں انسان کا اپنی طاقت کے نشہ میں چور ہوجانا ہے، اور اس کے نتیجہ میں پھر کبھی کبھی ایسی ٹکنالوجی اختیار کرنا ہے جو دنیا کے نظام پر اثر ڈالتی ہیں، اور ظاہری طور پر بھی دنیا کا نظام اس سے متاثر ہونے لگتا ہے۔

ایٹمی ایجادات نے جس طرح عالمی نظام کو متاثر کیا ہے اور دنیا کے ہر خطہ پر اس نے اثر ڈالا ہے، نہ کوئی براعظم اس سے محفوظ ہے اور نہ کوئی سمندری حصہ، یہ بھی ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ﴾ کا مصداق ہے۔

قیامت سے پہلے انسان اپنے اوپر قیامت برپا کرنے پر آمادہ ہے، اور اس کی بنیادی وجہ انتہائی خودغرضی اور اس کے نتیجہ میں ظلم وسفاکی کا وہ مزاج ہے جس کا عام انسانیت کو سامنا کرنا پڑرہا ہے۔ یہ صورت حال پوری دنیا کے لیے انتہائی خطرناک ہے، اور اگر اس کے سدباب کی کوششیں نہ کی گئیں تو اس کا ڈر ہے کہ پھر بات وہاں تک پہنچ جائے کہ واپسی کے راستے بند ہوجائیں۔

اس کا علاج صرف یہی ہے کہ رحمۃ للعالمین ﷺ نے انسانیت کا جو سبق دیا تھا اور اخلاق کی جو قدریں انسانوں کو عطا فرمائی تھیں ان کو اختیار کیا جائے، اور دنیا کو اس کی روشنی میں لانے کی کوشش کی جائے، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد یہی بیان فرمایا کہ ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ (اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے) اور ان کے بارے میں گواہی دی کہ ﴿وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ (اور یقیناً آپ اخلاق کے بلندترین مقام پر فائز ہیں) اور خود حضور ﷺ نے بھی اپنی بعثت کا مقصد یہی بیان فرمایا: "بعثت لأتمم مكارم الأخلاق" (میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں)

اس کے لیے صاحب دعوت امت کو خود اپنا نظام زندگی درست کرنا ہوگا، اور سیرت کی قدریں اختیار کرنا ہوں گی تاکہ اس کا عملی نمونہ دنیا کے سامنے آسکے، اور دنیا اپنی اصل منزل کو پاسکے۔

اسلامی سزائیں اور ان کی حکمتیں

مولانا محمد الحسنیؒ

﴿فَجَعَلْنَاهَا نَكَالاً لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ﴾ (البقرۃ: ٦٦) (پھر ہم نے اس کو ایک عبرت انگیز واقعہ بنادیا، ان لوگوں کے لیے جو قوم کے معاصر تھے، اور ان لوگوں کے لیے جو بعد کے زمانہ میں آتے رہے، اور موجب نصیحت بنایا خدا سے ڈرنے والوں کے لیے)

یہ آیت سورۂ بقرہ کی ہے، اور اس میں بنی اسرائیل کی ایک سخت ترین سزا کے ذکر کے معاً بعد ان سزاؤں کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس سے دوسرے لوگوں اور آنے والی نسلوں کو ایسی عبرت حاصل ہو اور ان پر اس درجہ رعب طاری ہوجائے کہ پھر کسی ہاتھ کو وہ حرکت کرنے کی جرأت نہ ہو اور جس کے دل میں خدا کا خوف اور خدا ادب ولحاظ ہے، ان کو بھی اس سے نصیحت اور سبق حاصل ہو، یعنی ایک طرف مجرموں اور ظالموں کی ہمت ان سزاؤں کی بدولت اتنی پست ہوجائے کہ وہ پھر کسی جرم کا ارتکاب نہ کریں اور دوسری طرف اہل ایمان اور اہل تقوی کو ایسی نصیحت اور سبق حاصل ہو کہ ان کے دل میں جرم وگناہ کا خیال بھی نہ آئے۔

جرم وسزا کے باہمی تعلق پر آج کل کی دنیا میں بڑا زور دیا جاتا ہے اور اسلامی سزاؤں کو بے رحمانہ اور ظالمانہ کہا جاتا ہے، لیکن اسلام نے جرم وسزا کا جو تصور پیش کیا ہے، اس کا تصور آج تک کسی نظام نے پیش نہیں کیا ہے، ظاہر ہے کہ انسان اور کائنات کے خالق نے جو سزا اس کی تجویز فرمائی ہے اور پھر اس کی جو حکمت بیان کی ہے اس کے مقابلہ میں خود مخلوق کی تجویز کی ہوئی سزا کی کیا حیثیت ہوسکتی ہے؟ یہ انسان کی حد درجہ نادانی کی بات ہے کہ وہ اپنی تجویز کی ہوئی سزاؤں کو (جن کو وہ بار بار تبدیل کرتا رہتا ہے) اپنے پیدا کرنے والے اور معبود برحق کی تجویز کردہ سزاؤں سے بہتر سمجھے، ان سزاؤں کی کھلی ہوئی یہ برکت ظاہر ہوتی ہے کہ چند سزاؤں کے بعد ہی معاشرے میں ایک خوشگوار تبدیلی رونما ہونے لگتی ہے اور اگر ان پر خلوص اور استحکام کے ساتھ عمل کیا جاتا رہے تو پورا معاشرہ امن وامان میں آجاتا ہے، اس کے ایمان افروز واقعات اور نمونوں سے پوری اسلامی تاریخ بھری پڑی ہے، اور کوئی اس کو جھٹلا نہیں سکتا۔

ان سزاؤں کی ایک عجیب خاصیت اور برکت یہ ہے کہ بہت سی کمزوریوں اور خامیوں کے ساتھ بھی اس کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں، اس کی ایک بہت واضح مثال سعودی عرب کی ہے، سعودی عرب کے معاشرے کو اسلامی معاشرہ ظاہر ہے نہیں کہا جاسکتا، لیکن اس کے باوجود آج وہاں کم از کم جرائم کی شرح اس قدر گھٹ چکی ہے کہ اس کا کسی دوسرے ملک میں تصور بھی آسان نہیں، اس کے برخلاف امریکہ جو اپنے کو تہذیب وتمدن کا امام اور موجد سمجھتا ہے اس وقت جرم اور گناہ کا سب سے بڑا مرکز ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہمیں آئیڈیل، سوسائٹی اور معاشرے کے انتظار میں نہیں رہنا چاہیے، البتہ جرم وگناہ کے محرکات واسباب کا بند کرنا حتی الامکان ضروری ہے، ایسا نہ ہو کہ ایک طرف ہمارے ذرائع ابلاغ ونشر واشاعت دعوت گناہ دیتے ہوں اور ہمارے اسکول اور تعلیم گاہیں ذہنی بے راہ روی کا سامان مہیا کرتی ہوں، دوسری طرف یہ کہا جاتا ہو کہ (دامن تر مکن ہشیار باش) خبردار! دامن تر نہ ہونے پائے، اگر ایک ہاتھ کے کٹنے اور ٹوٹنے سے سینکڑوں، ہزاروں ہاتھ کٹنے اور ٹوٹنے سے محفوظ ہوجاتے ہیں، ایک پھانسی سے سینکڑوں جانیں ہلاکت سے اور نہ جانے کتنے ناموس عصمت دری سے محفوظ ہو جاتے ہیں تو ان سزاؤں کو ظلم نہیں، عین رحم کہا جائے گا۔

اس کے علاوہ ان سزاؤں کو شریعت اسلامیہ نے اتنے شرائط و قیود اور اتنی گواہیوں اور ایسے طریقہ کار سے محفوظ کردیا ہے کہ جس سے ناانصافی اور ظلم کا صدور ہی ممکن نہیں، تنہا ایک چیز ''قذف'' (یعنی کسی پر گناہ کی غلط تہمت لگانا) اور اس کی سزا ایک ایسا حصار ہے جس کو آسانی سے کوئی پار کرنے کی ہمت نہیں کرسکتا..... (باقی صفحہ ۱۸ پر)

نزول قرآن کا مقصد

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

قرآن مجید سے تعلق ہونا ایک نعمت ہے اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت سے فائدہ اٹھانا سعادت کی بات ہے، اس لیے کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے، اور براہ راست اللہ کا کلام ہونے کی وجہ سے، اس کی طاقت، اس کی خصوصیت، اس کا اثر بے انتہا ہے، اس کا اثر ایسا ہے کہ اگر یہ اپنے صحیح اثر کے ساتھ اس دنیا میں ظاہر ہو جائے تو دنیا اس کو برداشت نہیں کر سکتی، اللہ تعالیٰ نے اس بات کو کئی مثالوں سے بتایا، ایک جگہ فرمایا کہ اگر ہم نے اس کلام کو پہاڑوں پر نازل کیا ہوتا تو پہاڑ اس کو اٹھا نہیں سکتے تھے، بلکہ وہ پھٹ جاتے، جل جاتے، اسی لیے قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال بھی پیش کی گئی کہ انہوں نے تجلی کی درخواست کی ''اے پروردگار! ہم آپ کو دیکھنا چاہتے ہیں''، تو ارشاد ہوا: ''ہماری تجلی کو پہاڑ برداشت نہیں کر سکتا، اگر کر لے گا تو تم بھی دیکھ سکتے ہو''، لیکن جب اللہ تعالیٰ کی ذرا سی تجلی ہوئی تو کوہ طور پہاڑ جل کر اس طرح بیٹھ گیا جیسے اس کو کسی نے دبا دیا ہو، اور حضرت موسیٰ بھی بے ہوش ہو گئے، اور اس تجلی کو نہ دیکھ سکے، تو یہ کتاب (قرآن مجید) آسمانی کتاب ہے، اور یہ زمین آسمان نہیں ہے، زمین زمین ہے، آسمان آسمان ہے، اس لیے آسمان کو یہ زمین برداشت نہیں کر سکتی، آسمان کی جو طاقت اور وزن ہے اس کے سامنے یہ زمین کوئی حیثیت نہیں رکھتی، زمین کی حیثیت سورج کے سامنے کچھ نہیں ہے، سورج اتنے فاصلہ سے بھی زمین کو تپا دیتا ہے اور زمین اسی کے گرد گردش کر رہی ہے، وہ بھاگ نہیں پاتی، گویا اس اعتبار سے زمین کی کوئی حیثیت و حقیقت نہیں ہے، کیونکہ سورج سے بڑی چیز بھی آسمان کی طاقت کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی، اس لیے غور کا مقام ہے کہ اللہ کا کلام جو ایک تجلی کی حیثیت رکھتا ہے اس زمین پر کیسے آسکتا ہے؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر یہ کرم فرمایا کہ ان کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے اپنے کلام کو زمین پر بھیجا اور وہ انتظامات فرما دیئے کہ جن کی وجہ سے یہ کلام زمین پر رہ سکے، اور لوگ اس کو پڑھ سکیں، ورنہ اگر یہ کلام اپنی اسی طاقت کے ساتھ ہو یعنی اسی کیفیت کے ساتھ ہو جو اس کی کیفیت ہے تو اس کو آدمی اپنی زبان سے ادا نہیں کر سکے گا، اور اس کو سن نہیں سکے گا، کان برداشت نہیں کر سکیں گے، بلکہ اس کی تجلی اثر انداز ہوگی، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''اگر ہم اس کو پہاڑوں پر نازل کرتے تو پہاڑ پھٹ جاتے، لیکن انسان کے لیے ہم نے اس کو اتار دیا، تاکہ انسان اس سے فائدہ اٹھائیں''، اور انسان کے فائدے کے لیے اللہ نے اس چیز کو ایسا کر دیا کہ یہاں زمین پر رہ سکے، اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے بجلی کا کرنٹ ہوتا ہے جو تار سے گزرتا ہے اس کے اوپر ربڑ چڑھی ہوتی ہے اگر اس کو کوئی پکڑ لے، اس کو استعمال کرے، تو اس سے روشنی حاصل ہوگی، اس سے انجن چلایا جا سکتا ہے، لیکن اگر کوئی اسی کھلے تار کو چھو لے تو اس کے کرنٹ کے لگنے سے زندہ نہیں رہے گا، اور اگر انسان وہی کرنٹ بالواسطہ چھوتا ہے تو اس کو برداشت کر لیتا ہے، اور اس سے فائدہ بھی اٹھاتا ہے، البتہ براہ راست اس کو نہ چھوا جا سکتا ہے، نہ ہلایا جا سکتا ہے، نہ ہی اس پر ہاتھ رکھا جا سکتا ہے، اسی طرح قرآن مجید کی مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کلام کو ایسا غلاف روحانی عطا فرمایا کہ یہ ہمارے کانوں میں بھی جاتا ہے، ہمارے منہ سے بھی ادا ہوتا ہے، اس کو ہم کاغذ پر لے لیتے ہیں، اس کو اٹھاتے ہیں، ورنہ اگر یہ غلاف میں اس طرح نہ ہو جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے فائدہ کے لیے اس کو رکھا ہے، تو یہ کلام اس دنیا میں اتر نہیں سکتا، دنیا اس کو جھیل نہیں سکتی، بلکہ دنیا پھٹ جائے گی، ٹوٹ جائے گی، گویا یہ اللہ کا ایسا فضل ہے کہ وہ چیز جس کو ہم برداشت نہیں کر سکتے وہ ہم کو عطا فرمائی، جو چیز یہاں رہ نہیں سکتی تھی اللہ نے اس کو اتارا، تاکہ ہم اس سے فائدہ اٹھائیں، تو اتنی بڑی دولت و نعمت اللہ نے ہم کو دی ہے جو ہم کو عام حالات سے نہیں مل سکتی تھی، لہٰذا اس کی قدر کرنے کی ضرورت ہے، انسان اس کی جتنی زیادہ قدر کرے وہ کم ہے۔

قرآن مجید کی قدر یہ ہے کہ ﴿لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾ (شاید وہ سمجھ سکیں، غور کر سکیں) یعنی بندے یہ سمجھ سکیں کہ اللہ تعالیٰ کا مقام کیا ہے؟ اور اللہ تعالیٰ کے سامنے بندوں کی کیا حیثیت ہے، اور ان پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ انسانوں کو توجہ

دلاتا ہے کہ تمہیں کیسی زندگی گزارنی چاہیے؟ تمہارے کیسے اعمال ہونے چاہئیں؟ تمہارا کیا طریقہ ہونا چاہیے؟ تمہارے دل کے اندر کیا کیفیت ہونی چاہیے؟ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر بے شمار احسانات کئے ہیں، یہ دنیا ہمارے لیے بنائی، ہمارے لیے ہی سورج کو مسخر کیا، چاند کو ہمارے لیے مفید بنایا، اسی طرح زمین میں جو کچھ ہوتا ہے، اور جو کچھ پایا جاتا ہے وہ سب اللہ نے ہمارے فائدے کے لیے رکھا کہ ہم اس سے فائدہ اٹھائیں، غرض کہ ہر طرح کی نعمتیں جن کی ہم کو زندگی میں ضرورت ہے، وہ سب اللہ نے ہمارے لیے مہیا کیں، اسی لیے ان سب کو دینے کے بعد وہ چاہتا ہے کہ بندہ اس کی بات کو مانے اور اپنے پروردگار کے سامنے اپنے کو بندہ بنا کے رکھے، اپنے پروردگار کا مقابلہ نہ کرنے لگے، یعنی اپنے کو اپنے پروردگار کے برابر سمجھنے لگے، وہ اس طرح کہ اپنے نفس کے مطابق عمل کرے، اللہ تعالیٰ کے احکام کو نظر انداز کردے، یا جس طرح اپنے ساتھی کے ساتھ رویہ ہوتا ہے وہی رویہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اختیار کرے کہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، اللہ تعالیٰ جو کہہ رہا ہے وہ نہیں کرتا، یعنی اپنے کو اللہ تعالیٰ کے برابر سمجھ رہا ہے، یا کسی اور کو اللہ تعالیٰ کے برابر سمجھ رہا ہے، یہ عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت ہی ناپسندیدہ ہے، کیونکہ خدا ہی نے اس کو سب کچھ عطا فرمایا، حتی کہ زمین پر اپنا کلام اتار دیا جو کہ اتر نہیں سکتا تھا، لیکن اللہ نے اس کو اسی لیے اتارا تا کہ ہم اس سے صحیح راہ پر آسکیں، اس لیے اس کلام کی قیمت کو سمجھنا چاہیے اور اس کا جو ادب اور مقام ہے اس مقام کی قدردانی جیسی کرنی چاہیے وہ بھی ضروری ہے۔

قرآن مجید کا پہلا ادب یہ ہے جس کو خود قرآن مجید ہی میں بیان فرمایا گیا: ﴿لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾ (اس کو نہیں چھوتے مگر وہ لوگ جو پاکیزہ ہوتے ہیں) یوں تو انسان مکمل طور پر پاک ہو ہی نہیں سکتا اس لیے کہ نہ جانے اس کے پیٹ میں کیا کیا بھرا ہوا ہے، لیکن ظاہری طور پر اللہ نے ایسا طریقہ بتایا کہ اگر اس کو اختیار کرلیا جائے تو انسان کو پاک سمجھ لیا جائے گا، اب ہر انسان کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اس پاکی کے طریقہ کو اختیار کرنے کے بعد اللہ کا پاک کلام پڑھے، اور اللہ کا یہ احسان سمجھے کہ اس نے اس قابل بنا دیا کہ ایک ناپاک انسان اللہ کے پاک کلام سے فائدہ اٹھا رہا ہے، اسی کے ساتھ ساتھ اس کی قدردانی میں بھی کوتاہی سے کام نہ لے، قرآن مجید کی قدر جتنی ہم کرسکتے ہیں ہمیں کرنی چاہیے اور اس میں جو باتیں فرمائی گئی ہیں ان سے ہماری زندگی کی جو رہنمائی ہوتی ہے اس رہنمائی سے ہم کو فائدہ اٹھانا چاہیے، ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے، کیونکہ اس کلام کے نزول کا مقصد ہی یہ ہے کہ ہم اس سے فائدہ اٹھائیں، اور اپنی زندگی کو اس سے سنواریں، جب ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق یہ بات ہوگی اور اللہ تعالیٰ کو پسند آئے گی کہ اس کا بندہ اس کی اطاعت کررہا ہے، اس کے کہنے پر چل رہا ہے، اس نے جو ہدایات دی ہیں ان کو مان رہا ہے۔

اتنے واسطوں سے قرآن مجید کا نزول محض ہمارے فائدے کے لیے ہوا، تا کہ ہم اس سے نصیحت حاصل کریں، اپنی زندگی کو بنائیں اور سنواریں، کیونکہ احکامات الٰہیہ کے مطابق زندگی گذارنے سے ہم صحیح راستہ پر عمل کرنے والے ہوں گے، اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم کو آسمانی طاقت حاصل ہوگی، جو کہ ہمیں آخرت کی زندگی میں کام دے گی، حدیث شریف میں آتا ہے ہمارا کوئی عمل ایسا ہے جس سے وہاں (جنت میں) باغ لگ جاتا ہے، ہمارا کوئی عمل ایسا ہے کہ جس سے نہریں جاری ہوجاتی ہیں، ہمارا کوئی عمل ایسا ہے کہ جس سے ہمارے لیے قصر (محل) تیارا ہوجاتا ہے، ظاہر ہے ہمیں وہاں اس طرح کی جو بھی چیزیں ملیں گی وہ ہمارے اس عمل کی وجہ سے ملیں گی، جو ہم یہاں زندگی میں کرتے ہیں، اور وہ کون سا عمل ہے جس سے وہاں ہمیں یہ چیزیں ملیں گی؟ اس سے مراد وہی عمل ہے جس کو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے فائدے کے لیے اپنے نبیوں اور اپنے کلام کے ذریعہ سے ہم کو بتادیا کہ تم یہ کروگے تو تم کو یہ فائدہ ہوگا، اور اگر تم نہیں کروگے تو جب وہاں (آخرت میں) جاؤگے تو تمہیں چٹیل میدان ملے گا، جہاں نہ سایہ ہوگا، نہ ہی کوئی ایسی چیز جس سے تم فائدہ اٹھا سکتے ہو، جیسے پتھر ہوتا ہے اس پر آپ کھڑے رہیے تو آپ کو نہ سایہ حاصل ہوگا، نہ ہی آپ کو راحت ملے گی، اسی طرح وہاں کا نظام بھی مٹی والا نظام نہیں ہے، بلکہ وہاں کا نظام روحانی ہے جو ہمارے عمل کے نتیجہ میں ظاہر ہوگا، اس دنیا میں ہم جیسا عمل کریں گے، وہاں ویسا ہی عمل ظاہر ہوگا، یہ تمام وہ تعلیمات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کے ذریعہ سے انسانوں کو بتائی ہیں۔

مسلمان کی عزت وآبرو

مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

مسلمانوں کی ایسی کون کون سی چیزیں ہیں جن کا احترام ہونا چاہیے، اور جن کی عظمت کا خیال رکھا جانا چاہیے، ان بعض چیزوں کی عظمت کو سمجھنے سے پہلے یہ بھی ذہن میں رکھنا مناسب ہوگا کہ ایک مسلمان شخص خود اپنی جگہ پر بہت معظم ومکرم ہے، لیکن چونکہ آج کل مسلمان لفظ اور خود مسلم آبادی اس قدر ہوچکی ہے کہ عموماً اس کی اہمیت نگاہوں سے اوجھل ہوجاتی ہے، کیونکہ لوگوں نے حقیقی مسلمان کو دیکھا ہی نہیں ہے، اور اگر کبھی کوئی حقیقی مسلمان نظر آجاتا ہے تو اس کو بزرگ کا نام دے دیا جاتا ہے، حالانکہ مسلمان اور بزرگ ہونا کوئی الگ چیز نہیں ہے، اور اگر کوئی سمجھتا ہے تو بالکل غلط ہے، کیونکہ جو مسلمان ہے اصلاً وہی اللہ والا ہے، جو مسلمان ہے وہی بزرگ ہے، البتہ یہ الگ بات ہے کہ جو جتنا بڑا مسلمان ہوگا وہ اتنا ہی بڑا بزرگ اور اللہ والا ہوگا، اس لیے کہ مسلمان اسی کو کہتے ہیں جو اپنے کو اللہ کے حوالے کردے، لہٰذا جو اپنے کو اللہ کے حوالے کردے تو وہ اللہ والا ہے، اور جو اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے والا ہو وہ بزرگ ہے، گویا اس اعتبار سے ہر مسلمان بزرگ بھی ہے اور اللہ والا بھی ہے، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت صحیح معنی میں مسلمان ہونے کے اندر جو کمی ہے وہ سو فیصد ہماری طرف سے ہے، یہی وجہ ہے کہ آج لفظ مسلمان یا مسلم خود اپنی حیثیت کھو بیٹھا ہے، ورنہ حقیقی مسلمان کی عزت وآبرو کے متعلق حدیث میں آتا ہے "لزوال الدنیا أھون عند اللہ من قتل رجل مسلم" یعنی اللہ کے نزدیک ساری کائنات کا تہس نہس ہوجانا ایک مسلمان کے قتل سے زیادہ بھاری نہیں ہے، اسی لیے اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی مسلمان حقیقی معنی میں مسلمان ہوجائے تو اس کو دنیا کی کوئی طاقت زیر نہیں کرسکتی اور اگر وہ زیر ہوجائے تو ساری کائنات تباہ ہوجائے گی۔

سیرت نبوی اور تاریخ کے صفحات میں بے شمار واقعات ایسے ہیں جو اس بات کی عکاسی کرتے ہیں کہ جو صحیح معنی میں مسلمان ہوا ہے اس کا کوئی بال بیکا بھی نہیں کرسکا ہے، روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ کسی غزوہ سے لوٹ رہے تھے کہ راستہ میں آرام کے لیے کہیں پڑاؤ ڈالا، اچانک کسی کافر نے درخت میں لٹکی ہوئی آپ کی تلوار کو کھینچ لیا اور کہنے لگا اب مجھ سے تم کو کون بچائے گا؟ تو آپ ﷺ نے سکون واطمینان کے ساتھ جواب دیا: اللہ، اور اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اس کے ہاتھ سے یہ آواز سن کر ہی تلوار چھوٹ گئی، اور حضور ﷺ نے تلوار اپنے ہاتھ میں لے لی، پھر فرمایا: اب تجھ کو کون بچائے گا؟ اس نے کہا: آپ ہی معاف فرماسکتے ہیں، چنانچہ آپ نے معاف فرمادیا، معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے دل کی گہرائی سے جو اللہ کا لفظ نکالا تو سونتی ہوئی تلوار لے کر کھڑا شخص بھی آپ کا کچھ نہیں کرسکا۔

اسی طرح حضرت شیخ عزالدین بن عبدالسلامؒ نے جب مصر میں تمام وزرا اور بادشاہ پر کفر کا فتوی لگادیا تو پوری عوام آپ کی مخالف ہوگئی اور سب نے یہ طے کیا کہ ان کو مل کر ماردیتے ہیں، چنانچہ سارے وزراء اور بادشاہ وغیرہ حضرت شیخ صاحب کے گھر پہنچے لیکن جب شیخ صاحب نے وجہ دریافت کی کہ آپ لوگوں کا آنا کیوں ہوا ہے؟ تو سب ہوش کھو بیٹھے، اور کہا: آپ جو چاہیں کریں، آپ کی مرضی سننے کے لیے آئے ہیں، چنانچہ شیخ صاحب نے فرمایا: تم سب کو نخاس میں بیچنا چاہتا ہوں، لہٰذا سب آپ کی اس بات پر راضی ہوگئے اور نخاس گئے، حضرت شیخ صاحب نے سب کو بیچا، اور آزاد کرایا، معلوم ہوا اگر کوئی شخص صحیح طور پر اللہ والا ہوجائے تو اس کو کبھی کوئی حکومت بھی نہیں ڈرا سکتی۔

اسی طرح اخیر دور میں حضرت مولانا علی میاںؒ کے خلاف نہ جانے کتنی خبریں آتی رہیں کہ پولیس کو حکم مل چکا ہے کہ مولانا کو چوبیس گھنٹے کے اندر حراست میں لیا جائے گا، لیکن ایسا کچھ بھی نہیں ہوسکا جو بھی خبریں تھیں وہ خبریں ہی رہیں، اس کو کوئی بھی حقیقت میں نہیں بدل سکا، کیونکہ جو اللہ والا صحیح معنی میں مسلمان ہوتا ہے کائنات کی ہر چیز اس کا احترام کرتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی اس پر خاص نگاہ رہتی ہے، یہ وہ واقعات ہیں جن سے بخوبی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص حقیقی معنی میں اللہ والا ہوجائے تو دنیا کی کوئی طاقت بھی اس کا بال بیکا تک نہیں کرسکتی ہے، کیونکہ جو شخص اپنے آپ کو اللہ کے حوالہ کردیتا ہے تو وہ اللہ کے نزدیک معظم ومکرم بن

جاتا ہے، اسی لیے فرمایا گیا: پوری کائنات کا زوال اللہ کے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتا، جتنا کہ ایک مسلمان کو مار ڈالنا۔

حفاظت اور احترام کے تعلق سے یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہوگی کہ ہر انسان پر جس طرح دوسرے کی جان، مال اور آبرو کا احترام لازمی ہے ویسے ہی اس کو اپنے ساتھ بھی کرنا لازمی ہے، کیونکہ اللہ نے ہر ایک کو مکرم بنایا ہے، اسی لیے قرآن میں آتا ہے ﴿وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِناً مُّتَعَمِّداً فَجَزَآؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِداً فِيهَا﴾ (النساء:۹۳) یعنی اگر کوئی شخص کسی مومن کو قتل کردے تو وہ ہمیشہ ہمیش جہنم میں رہے گا، تو یہ دوسرے کی حرمت کے تعلق سے ہوا، لیکن اسی کے بالمقابل خود اپنی جان کے تعلق سے آتا ہے کہ اگر کسی نے خودکشی کی تو اس کو اسی حال میں عذاب کے اندر مبتلا رکھا جائے گا، یہیں سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ کسی شخص کو نہ غیر کا حق مارنے کی اجازت ہے اور نہ ہی اپنے کسی قریبی کا حق مارنے کی اجازت ہے، برخلاف یورپ کی تہذیب کے، جن کا یہ کہنا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو مارنا چاہتا ہے تو اس کو پورا اختیار ہے کہ وہ مار سکتا ہے، لیکن اسلام میں ایسے گندے اعمال کی ہرگز اجازت نہیں ہوسکتی، یہاں تک کہ صرف مارنا ہی نہیں بلکہ شریعت کی نظر میں وہ تمام افعال ممنوع ہیں جن سے جان کو کوئی نقصان پہنچ سکتا ہو، یہی وجہ ہے کہ ہر وہ چیز جس سے صحت کے خراب ہونے کا اندیشہ ہوسکتا تھا اسلام نے اس کو قطعی طور پر ممنوع قرار دے دیا، (مثلاً: بیڑی، سگریٹ، تمباکو وغیرہ) کیونکہ ہر انسان کی جان اللہ کے نزدیک محترم ہے، اسی لیے حضرت تھانویؒ نے یہاں تک لکھا ہے کہ صبح کا ٹہلنا اگر آپ کی صحت کو ضروری ہے تو آپ کے لیے چاشت پڑھنے سے بہتر یہ ہے کہ آپ صبح کو ٹہلیں، معلوم ہوا صحت کا تندرست ہونا بھی مستحسن بات ہے، اور اس کی حفاظت کرنا بھی ضروری ہے۔ لیکن اگر کوئی صحت کا خیال نہیں رکھتا اور وہ چیزیں استعمال کرتا ہے جن سے صحت کو نقصان پہنچتا ہے تو ان کے استعمال کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں، چہ جائیکہ کوئی شخص خودکشی پر آمادہ ہوجائے، وہ تو بہت ہی بڑا جرم ہے، کیونکہ شریعت میں تو یہاں تک منع کیا گیا ہے کہ کوئی شخص کنکری پھینک کر بھی کسی چیز کی طرف اشارہ نہ کرے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کسی کے لگ جائے اور اس کی آنکھ، کان، ناک میں سے کوئی چیز زخمی ہوجائے۔ اسی طرح سے کھلا ہوا چاقو یا تلوار بھی لوگوں کے سامنے لے کر بیٹھنے سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ ممکن ہے کہ کسی کے لگ جائے، اس لیے اس سے بھی منع کردیا گیا، بلکہ حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ چاقو سے کبھی بھی تسمہ اس طرح نہ کاٹو کہ تمہارے پیر میں زخم آجائے، اسی طرح فرمایا کہ مذاق میں بھی کسی کی طرف کھلے ہوئے چاقو سے اشارہ نہ کرو، کیونکہ جان ہماری نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہے جس کے لینے کا بھی حق اسی کو حاصل ہے، اسی لیے حکم ہے جب جہاد کا حکم ہو تب اللہ کے لیے اپنی جانوں کو نچھاور کردیا جائے، حتی کہ اس وقت اللہ کے راستہ میں لڑنا ہی سب سے افضل عمل بھی شمار کیا گیا ہے، اور شہید کو بہت بلند مرتبہ والا بتایا گیا ہے۔

دوسرا مسئلہ مال کی حرمت کا ہے، جس میں اکثر لوگ صرف یہ سمجھتے ہیں کہ دوسرے کے مال کی عزت وحفاظت شریعت میں مطلوب ہے کہ کسی کا مال غصب نہ کیا جائے، لیکن اپنے تعلق سے یہ کوئی نہیں سمجھتا کہ اللہ تعالیٰ نے جو مال ہم کو عطا فرمایا ہے یہ اصلاً اسی کا ہے، لہٰذا اس کا حق بھی یہ ہے کہ ہم اس مال کو غلط راستہ پر نہ لگائیں، اسی لیے یہ بات ذہن میں ہونا چاہیے کہ جس طرح دوسرے کے مال کو غصب کرنا ناجائز ہے، اسی طرح اپنے مال کو غلط جگہ میں صرف کرنا بھی ناجائز ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص اپنے مال کو حق میں لگاتا ہے تو ایسے شخص کے بارے میں آتا ہے کہ اگر مال کی حفاظت کی خاطر اس کو کوئی مار بھی دے تو اس کا نام شہداء کی فہرست میں شمار کیا جائے گا، "من قتل دون ماله فهو شهيد" یعنی اگر مال کی حفاظت میں قتل کیا گیا تو وہ شخص شہید ہے۔

تیسری چیز عزت اور آبرو ہے، آبرو کا مسئلہ یہ ہے کہ یہ بھی اللہ کی دی ہوئی ہے، کیونکہ اللہ نے ہر مسلمان کو معزز بنایا ہے اسی وجہ سے روایت میں آتا ہے کہ کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی کو حقیر سمجھے یا اس کو ذلیل کرے یا ذلیل سمجھے، چاہے کوئی شخص کتنا ہی معمولی مسلمان ہو، اور کسی خاندان کا ہو، لیکن اگر وہ صاحب ایمان ہے تو وہ قابل عزت واحترام ہے، معلوم ہوا جب ایک مسلمان کا اتنا بلند مقام ہے تو اس کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی آبرو کو پامال نہ کرے اور ایسا کوئی کام نہ کرے جو اس کے لیے ذلت کا سبب ہو، مثلاً: گالی بکنا وغیرہ وغیرہ۔

سیرت نبوی ﷺ

قرآن کریم کے آئینہ میں

بلال عبدالحی حسنی ندوی

محبت: آنحضور ﷺ سے محبت ایمان کی نشانی ہے، خود ایک جگہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ”تم میں سے کوئی اس وقت تک صاحب ایمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد سے زیادہ اس کی اولاد سے زیادہ اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں“۔

یہ معیار ہے آپ ﷺ کی محبت کا، ایک طرف ماں باپ کا حکم ہو، اولاد کی خواہش ہو، عرف کا تقاضا ہو، رسم ورواج سامنے ہوں، اور دوسری طرف فرمان رسالت ہو، آپ ﷺ کی زندگی سامنے ہو، آپ ﷺ کی تعلیمات وارشادات ہوں، یہ فیصلہ کا وقت ہے، کس کی محبت غالب ہے اور جھکاؤ کس چیز کی طرف ہے، حقیقت میں یہ محبت کا معیار ہے کہ ایمان والا ہر حال میں آنحضور ﷺ کی ایک ایک ادا پر فدا ہو، آپ ﷺ کی مبارک سنتوں کے لیے سب کچھ قربان کرنے کا جذبہ رکھتا ہو، جب آپ ﷺ کا طریقہ سامنے آجائے تو اس کے آگے ہر چیز ہیچ ہو، اللہ تعالیٰ نے اس محبت کو اور صاف کردیا اور یہ اعلان فرمادیا: ﴿النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ﴾ ماں، باپ کیا، اولاد کیا، بیوی بچے کیا، آپ ﷺ کے لیے تو جان کی بھی کیا قیمت ہے، سب کچھ آپ پر قربان، یہ حقیقی محبت ہے، جو اللہ کے رسول ﷺ سے ایمان والوں کو ہونی چاہیے۔

غزوۂ احد میں ایک خاتون مدینہ طیبہ سے نکلیں، آپ ﷺ کی شہادت کی خبر اڑ گئی تھی، وہ بے تابانہ نکلیں، حضور ﷺ کو پوچھتی جاتی تھیں، کسی نے کہا: تمہارے باپ شہید ہوگئے، کہنے لگیں حضور کی خیریت بتاؤ، آواز آئی کہ تمہارے شوہر بھی شہید ہوگئے بولیں میں تو حضور کی خیریت پوچھتی ہوں، بتایا گیا کہ بیٹا بھی کام آگیا، پھر وہی فرمانے لگیں کہ حضور کے بارے میں بتاؤ، جب آپ ﷺ کی خیریت معلوم ہوئی فرمانے لگیں: ”کل مصیبة بعدك جلل“. (آپ کے سامنے ہر مصیبت ہیچ ہے)

باپ بھی، بھائی بھی، شوہر بھی، برادر بھی فدا
اے شہ دیں تیرے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

حضرت خبابؓ کو کافروں نے سولی پر لٹکا رکھا ہے اور ان کے جسم کو نیزوں سے چھید رہے ہیں اور جگہ جگہ سے چیرے لگا رہے ہیں، اور پوچھتے ہیں کہ کہو خباب اب تو تم سوچ رہے ہوگے کہ تمہاری جگہ محمد ﷺ ہوں اور تم بچ جاؤ، تو وہ جذباتی ہوکر بے ساختہ فرماتے ہیں کہ یہ کیا کہتے ہو یہ مجھے گوارہ نہیں کہ میں بچ جاؤں، آپ ﷺ کے قدم مبارک میں ایک کانٹا بھی چبھے اور میں بچ جاؤں۔

غزوۂ احد میں کافروں کی یلغار ہے، چاروں طرف سے تیروں کی بوچھار ہے، وہ ظالم رحمۃ للعالمین ﷺ پر تیر برسا رہے ہیں، صحابہ جانثاری کے ساتھ آگے بڑھتے ہیں اور ایک ایک کرکے پانچ انصاری صحابی آپ کے لیے اپنی جان دے دیتے ہیں، حضرت طلحہ نے ایک طرف اپنی پیٹھ کو ڈھال بنا رکھا تھا، ایک صحابی نے اپنے ہاتھ کو ڈھال بنالیا اس پر اتنے تیر لگے کہ وہ ہاتھ ہمیشہ کے لیے شل ہوگیا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کون ہوگا؟ ظالموں نے ان کو اس قدر مارا کہ چہرہ پہچاننا مشکل ہورہا تھا، مارتے مارتے بالکل بے دم کردیا، ہوش میں آئے تو فرماتے ہیں کہ مجھ پر کھانا پینا حرام ہے جب تک میں حضور ﷺ کا چہرۂ انور دیکھ کر اپنی آنکھیں روشن نہ کروں، گھر کی دو خواتین سہارا دے دے کر بڑی مشکل سے حضور ﷺ کی خدمت میں لائیں، تو ان کو چین ہوا۔

آپ ﷺ کی وفات کے وقت صحابہ کا عجیب عالم ہوگیا حضرت عمر کو یقین نہ آتا تھا فرماتے تھے کہ یہ اگر کسی نے کہا کہ آپ ﷺ کی وفات ہوگئی تو اس کا سر قلم کردوں گا، حضرت صدیق اکبر ثبات کا پہاڑ بن کر کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ کی نیابت فرمائی، لوگوں کو سنبھالا۔

جانثاری وجاں سپاری کے واقعات صحابہ کی زندگی میں دیکھے جائیں تو کون اس سے خالی ہے، اور وہ سب تو ایمان والوں کے سروں کے تاج ہیں، آپ ﷺ کے غلاموں کے غلاموں کو دیکھئے اور یہ سلسلہ آگے بڑھاتے جایئے، ہر دور میں، ہر علاقہ میں، بگڑی سے بگڑی حالت میں آپ ﷺ کے متوالے موجود ہیں، آپ ﷺ کے لیے جان دینے والے آج بھی موجود ہیں۔

شاعروں کی محفل ہے، ایک شاعر جس کا ایمان اس کے دل کے نہاں خانہ میں ایک چنگاری کی شکل میں موجود ہے، بڑے بڑے شعراء وادباء کا تذکرہ ہورہا ہے اور وہ سب کو چٹکیوں میں اڑا رہا ہے اسی اثناء میں کسی بدبخت نے آپ ﷺ کا نام لے کر پوچھا، شاعر بے قابو ہوگیا، شراب کی بوتل ہاتھ میں تھی کھینچ کر ماری، اور بولا: ایسی گستاخ محفل میں آپ کا نام؟؟ کیا میں ایسا گیا گذرا ہوگیا، اس کے بعد اتنا روئے کہ ہچکیاں بندھ گئیں، اور زندگی بدل گئی۔

یہ محبت جو دل کے نہاں خانوں میں ہے اس کو دل ودماغ پر طاری کرلیا جائے اور اس طرح طاری کرلیا جائے کہ وہ ایمان کی کسوٹی ثابت ہو، اعمال میں اس کا اثر ظاہر ہو، اور دور سے دیکھنے والا دیکھتے ہی سمجھ لے کہ یہ کسی کا متوالا ہے، نبی کا شیدائی ہے، اس کی زندگی کے ایک ایک گوشے پر اس کا نور نظر آتا ہے، یہ اس حقیقی محبت کا تقاضا ہے اور یقیناً نبی سے محبت ہی ایمان کی علامت ہے، اور زندگی میں نبی ﷺ کی زندگی کا عکس آجانا ہی حقیقی محبت کی علامت ہے، اسی لیے ایک جگہ آنحضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا: ”تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک صاحب ایمان نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنی خواہشات اس چیز کے تابع نہ بنالے جس کو میں لے کر آیا ہوں“۔

مقام رسالت: حضرت آدم علیہ السلام کے بعد جب جب دنیا میں گمراہی پھیلی اور لوگ اپنے خالق ومالک کو بھولنے لگے تو اللہ نے نبی بھیجا، ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ﴾ (الفاطر: ۲٤) (کوئی قوم ایسی نہیں گذری جس میں نبی نہ آیا ہو) لیکن جو آیا وہ اپنی قوم کے لیے آیا، اپنے علاقہ کے لیے آیا، مگر ایک ایسا آیا کہ جس کی بعثت تمام جہانوں کے لیے تھی اور اس کی رسالت کی وسعت زمان ومکان کی وسعتوں کے آگے تھی اللہ تعالیٰ نے اس کو رحمۃ للعالمین یعنی جہانوں کے لیے رحمت قرار دیا۔

خود آپ ﷺ سے تمام انسانیت کو خطاب کرایا جارہا ہے ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعاً﴾ (الأعراف: ۱۵۸) (کہہ دیجیے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا پیغمبر ہوں)

مشرکین مکہ کا حال یہ تھا کہ انہوں نے ہٹ دھرمی اختیار کررکھی تھی، آپ کی رسالت کے منکر تھے، اور طرح طرح سے انکار کا مظاہرہ کرتے، کبھی کہتے کہ یہ کلام جو آپ سناتے ہیں کوئی آکر آپ کو سکھا جاتا ہے، اور اللہ کو رسول ہی بنانا تھا تو کسی سردار کو بناتے، قرآن اترتا تو کسی بڑے آدمی پر اترتا۔ ﴿وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ﴾ (الزخرف: ۳۱) (اور وہ بولے کہ یہ قرآن دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ اترا)

اللہ تعالیٰ آپ کو خطاب فرما کر ان تمام لوگوں کو سناتا ہے جو اس طرح کی باتیں بنایا کرتے تھے، ارشاد ہوا ﴿تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ﴾ (البقرۃ: ۲۵۲) (یہ اللہ کی وہ آیات ہیں جنھیں ہم آپ کو ٹھیک ٹھیک سنارہے ہیں اور یقیناً آپ رسولوں ہی میں سے ہیں) تمام انسانوں کو خطاب کرکے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِن رَّبِّكُمْ فَآمِنُوا خَيْراً لَّكُمْ﴾ (النساء: ۱۷۰) (اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے رسول حق لے کر آچکا، بس ایمان لے آؤ کہ تمہارا بھلا ہو)

آپ ﷺ کے بارے میں پہلے یہ اعلان کیا جارہا ہے کہ آپ ﷺ اللہ کی طرف سے مبعوث ہیں، اور آپ جو لے کر آئے وہ سب حق ہے، اللہ کی طرف سے ہے جس میں کسی شبہ کا کوئی گذر نہیں، جب سچی باتیں تمہارے پاس آچکیں تو اب انتظار کس بات کا ہے، تمہارے لیے بھلائی اسی میں منحصر ہے، تو اس کو مان لو، بس آیت شریفہ میں پہلے اطلاع دی گئی پھر ایمان کا حکم دیا گیا اور آگے آگے دھمکی آمیز انداز میں تنبیہ کی جارہی ہے کہ ﴿وَإِن تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيماً حَكِيماً﴾ (النساء: ۱۷۰) (اور اگر تم نہیں مانتے تو آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ خوب جاننے والا حکمت والا ہے)

آیت کے اس حصہ میں دو باتیں ارشاد فرمائی جارہی ہیں، ایک تو یہ کہ جو کچھ بھی زمین وآسمان میں ہے سب اللہ کی ملکیت ہے، سب تصرف اسی کا ہے، وہ سخت سے سخت سزا دے سکتا ہے نافرمانوں کو، اور دوسرا حصہ یہ واضح کررہا ہے کہ تم یہ نہ سمجھنا کہ چھوٹ کر نکل جاؤ گے تمہارے سب کرتوتوں کا علم اللہ کو ہے، وہ تمہاری گرفت کرے گا، پھر یہ بھی وضاحت کی جارہی ہے کہ اس کے سب کام پر از حکمت ہیں، تمہیں ابھی سے بتایا جارہا ہے کہ تم اصلاح کرلو، اپنے عقیدہ وایمان کو درست کرلو، اور اس آخری نبی کو مان لو اسی میں تمہاری کامیابی ہے، ورنہ تمہیں اس کا بھگتان بھگتنا پڑے گا۔

نماز کے آداب و مستحبات

مفتی راشد حسین ندوی

آداب ادب کی جمع ہے، نماز کے آداب سے مراد وہ افعال ہیں جن کا کرنا آنحضرت ﷺ سے ایک یا دو دفعہ ثابت ہو، لیکن آپ ﷺ نے ان کی پابندی نہ فرمائی ہو، جیسے رکوع یا سجدہ کی تسبیحات کو تین سے زیادہ مرتبہ کہنا وغیرہ، ان افعال کو آداب کے علاوہ نفل، مندوب اور مستحب بھی کہا جاتا ہے، ان افعال کا حکم یہ ہے کہ ان کا کرنا باعث اجر و ثواب اور فضیلت ہے، لیکن ان کے ترک کرنے سے نہ گناہ ہوتا ہے نہ عتاب ہوگا۔ (شامی: ۱/۳۵۳)

ذیل میں ہم چند آداب کا ذکر کر رہے ہیں، ہم کو ان کا اہتمام کرنا چاہیے تا کہ زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل ہو، لیکن اگر کوئی ترک کر رہا ہو تو اس کی بہت شدت سے نکیر نہ کرنا چاہیے، ہاں نرمی کے ساتھ سمجھایا جا سکتا ہے کہ اس کام میں فضیلت بہت ہے:

۱- اگر ہاتھ چادر سے یا رومال یا آستین سے چھپے ہوئے ہیں تو مرد کے لیے مستحب یہ ہے کہ ہاتھ چادر وغیرہ سے باہر نکال کر تکبیر تحریمہ کہے، عورت چادر اور دوپٹہ وغیرہ کے اندر ہی سے تکبیر کہے گی۔ (نور الایضاح: ۷۳، مراقی الفلاح: ۱۵۱، ہندیہ: ۱/۷۳، شامی: ۱/۳۵۳)

چنانچہ حضرت وائل بن حجر نماز میں داخل ہوئے تو آپ نے رفع یدین کیا، تکبیر تحریمہ کہی پھر کپڑا لپیٹ لیا پھر دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا۔ الحدیث (رواہ مسلم)

۲- پورے خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھنے ہی پر قرآن مجید نے کامیابی کی خوش خبری سنائی ہے، لہٰذا نماز دل کے مکمل استحضار کے ساتھ پڑھنا چاہیے، اس کے لیے چند امور معاون ہوتے ہیں، اسی لیے علماء نے ان کو مستحب قرار دیا ہے وہ امور یہ ہیں کہ قیام کی حالت میں اپنے سجدہ گاہ کی طرف نگاہ رکھے، حالت رکوع میں قدموں پر نگاہ رکھے، سجدہ کی حالت میں ناک کے بانسہ کی طرف نگاہ رکھے، قعدہ کی حالت میں گود پر نگاہ رکھے، داہنی طرف سلام پھیرتے وقت دائیں مونڈھے پر اور بائیں طرف سلام پھیرتے وقت بائیں مونڈھے پر نگاہ رکھے۔ (شامی: ۱/۳۵۳، بدائع الصنائع: ۱/۵۰۳)

چنانچہ روایت میں ہے کہ نبی کریم آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر نماز پڑھا کرتے تھے پھر جب یہ آیت نازل ہوئی ﴿قد أفلح المؤمنون......الآية﴾ (کامیاب ہو گئے وہ مومن جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں) تو آپ نے نگاہ سجدہ گاہ کی طرف کر لی۔

(السنن الكبرى للبيهقي: ۲/۲۸۳)

۳- جمائی کو حتی الامکان روکنا، اگر منہ پر ہاتھ رکھے بغیر جمائی نہ رک سکے تو ہاتھ سے منہ بند کر لے، علماء نے لکھا ہے کہ اگر دل میں یہ خیال لایا جائے کہ انبیاء کرام کو کبھی جمائی نہیں آتی تھی تو جمائی رک جاتی ہے، اس کے سلسلہ میں کئی نے اپنا تجربہ بھی بیان کیا ہے۔

(شامی: ۱/۳۵۳، ہندیہ: ۱/۷۳)

جمائی سستی اور اکتاہٹ کی علامت ہے، اس لیے نماز سے باہر بھی اس کے لیے یہی حکم ہے، چنانچہ بخاری و مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جہاں تک جمائی کا تعلق ہے تو وہ شیطان کی طرف سے ہوتی ہے، تو جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے، تو جہاں تک ممکن ہو اس کو روکے، اس لیے کہ جب تم میں سے کسی کو جمائی آتی ہے تو شیطان اس سے ہنستا ہے۔

۴- جہاں تک ممکن ہو کھانسی اور ڈکار سے احتراز کرے، اگر بے ساختہ آ ہی جائے اس کے قابو میں نہ ہو تو کوئی حرج نہیں اور اگر بلا ضرورت جان بوجھ کر کھانسے تو اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، یہاں مراد وہ کھانسی یا ڈکار ہے جس کی طرف طبیعت مائل ہو لیکن روکنا ممکن ہو تو اس سے احتراز کرنا مستحب ہے۔

(شامی: ۱/۳۵۳، نور الایضاح: ۷۴)

۵- نماز میں قراءت کی مسنون و مستحب مقدار:

نماز پڑھنے میں انسان کی تین الگ الگ حالتیں ہوتی ہیں، انہیں حالتوں کے اعتبار سے تین الگ الگ مقداروں کو سنت و مستحب قرار دیا گیا ہے:

پہلی حالت: یہ کہ سفر میں اضطرار کی حالت ہو، اضطرار کی حالت کا مطلب یہ ہے کہ اسے کوئی خوف لاحق ہو یا سفر میں

جلدی ہو، اسی طرح انسان حضر کی حالت میں ہو اور وقت تنگ ہو گیا ہو یا جان مال کا خوف ہو تو سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی بھی سورہ ملا لینا کافی ہوگا، چاہے جس وقت کی نماز پڑھ رہا ہو سب کا ایک حکم ہوگا۔ (ہندیہ:۱/۷۷)

دوسری حالت: سفر کی حالت میں ہو لیکن امن و اطمینان سے ہو، کسی جلدی میں نہ ہو، تو فجر وظہر میں طوال مفصل کی چھوٹی سورتیں پڑھے جیسے سورۂ بروج اور سورۂ انفطار وغیرہ، تاکہ قراءت کی سنت (جس کا ذکر آگے آرہا ہے) پر بھی عمل ہو جائے اور سفر کی تخفیف پر بھی عمل ہو جائے، اور عصر وعشاء میں اس سے مختصر سورتیں اور مغرب میں بالکل چھوٹی سورتیں ''والعصر'' اور سورۂ کوثر جیسی پڑھے۔ (ہندیہ:۱/۷۷)

ان دونوں حالات کا ذکر اگرچہ احادیث میں صراحت سے نہیں آیا ہے، لیکن سفر میں ہلکی سورتوں کا ذکر آیا ہے، اسی سے فقہاء نے استنباط کرلیا ہے، چنانچہ حضرت عقبہ بن عامر کی ایک روایت میں ایک سفر کا ذکر ہے، اخیر میں ہے: جب آپ ﷺ نماز فجر کے لیے (سواری سے) اترے تو آپ نے سورۂ فلق اور سورۂ ناس فجر کی نماز میں تلاوت فرمائیں۔ (أبوداؤد، نسائی، مسند احمد)

دوسری روایت میں سورہ "اذا الشمس کورت" اور سورہ "اذا السماء انفطرت" کا ذکر ہے، جس کو اطمینان کے سفر پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ (مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

تیسری حالت: یہ ہے کہ مقیم ہو اور وقت بھی تنگ نہ ہو تو فجر اور ظہر میں طوال مفصل پڑھنا، عصر وعشاء میں اوساط مفصل پڑھنا، اور مغرب میں قصار مفصل پڑھنا افضل اور مستحب ہے۔ (ہندیہ:۱/۷۷، شامی:۱/۳۹۹)

مفصل ان سورتوں کو کہتے ہیں جن میں بار بار بسم اللہ کے ذریعہ فصل کیا جائے، یہ قرآن کے سات حصوں میں سے آخری حصہ کو کہا جاتا ہے، اور اوساط مفصل کے معنی ہیں وہ مفصل سورتیں جو نسبۃً لمبی ہیں، قصار مفصل کا مطلب ہے وہ مفصل سورتیں جو چھوٹی ہیں، جب کہ اوساط کے معنی درمیانی کے ہیں، طوال مفصل سورۂ حجرات سے سورۂ بروج تک، قصار مفصل سورۂ بروج سے سورۂ لم یکن تک، جب کہ قصار مفصل سورہ لم یکن سے ختم قرآن تک ہے۔ (ہندیہ:۱/۷۷)

صاحب الدر المختار نے سورۂ بروج کو طوال میں اور سورۂ لم یکن کو اوساط میں شامل کیا ہے، صاحب ردالمحتار نے اس میں فقہاء کا اختلاف نقل کیا ہے۔ (شامی:۱/۳۹۹)

احادیث وآثار میں بعض روایات میں اسی طرح قراءت کا ذکر آیا ہے، لیکن چونکہ یہ عمل افضل اور مستحب ہے، فرض، واجب یا سنت تاکیدی نہیں ہے، لہٰذا اس کے خلاف بھی روایات آتی ہیں، ہم اس ترتیب پر دلالت کرنے والی بعض روایات کا ذکر ذیل میں کررہے ہیں:

حضرت سلمان ابن یسار سے مروی ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا: میں نے کسی بھی شخص کے پیچھے نماز نہیں پڑھی، جس کی نماز فلاں (یعنی حضرت عمر بن عبدالعزیز) کے مقابلہ آنحضرت ﷺ کی نماز سے زیادہ مشابہ ہو، حضرت سلمان کہتے ہیں: میں نے ان کے پیچھے نماز پڑھی تو وہ ظہر کی پہلی دو رکعتیں لمبی پڑھتے تھے، اور آخر کی دو رکعتیں ہلکی رکھتے تھے، اور عصر کی نماز ہلکی رکھتے تھے، اور مغرب میں قصار مفصل پڑھتے تھے اور عشاء میں اوساط مفصل پڑھتے تھے، اور صبح کی نماز میں طوال مفصل پڑھتے تھے۔ (نسائی، ابن ماجہ)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ فجر کی نماز میں ﴿ق والقرآن المجید﴾ اور اسی جیسی سورتیں پڑھتے تھے، اور آپ کی بعد کی نماز میں تخفیف ہوتی تھی۔ (مسلم)

حضرت معاذ بن جبل کی طویل حدیث کے آخر میں ہے کہ آپ نے عشاء کی نماز کے بارے میں حکم دیتے ہوئے فرمایا: والشمس وضحاها، اور واللیل اذا یغشی اور سبح اسم ربك الأعلی پڑھا کرو۔ (بخاری ومسلم)

ہر دو رکعت میں سورہ مکمل کرنا افضل ہے:

ان تمام تفصیلات سے معلوم ہوا کہ ہر رکعت میں مکمل سورہ پڑھنا افضل ہے اگرچہ کسی سورہ کا جزء پڑھنا بھی بلا کراہت درست ہے، اور احادیث سے اس کا ثبوت بھی ہے۔ (شامی:۱/۴۰۰)

چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ فجر کی دونوں رکعتوں میں "قولوا آمنا باللہ وما أنزل الینا" اور آل عمران کی آیت "قل یا أهل الكتاب تعالوا الی كلمة سواء بیننا و بینكم" کی قراءت فرمایا کرتے تھے۔ (مسلم)..... (باقی صفحہ ۱۶ پر)

قرآن کریم کا طریقۂ تعلیم

عبدالسبحان ناخدا ندوی

قرآن کریم کا طریقہ تعلیم بالکل البیلا ہے، قدیم و جدید کی تمام بحثوں سے بالاتر، آخر کیوں نہ ہو، کلام اللہ اتنا بلند ہے کہ اس کے سائبان میں قدیم جدید، موجود معدوم، ماضی حال مستقبل سب آجاتے ہیں، فطرت انسانی کی تشنگی کو اس کلام نے ہمیشہ سیراب کیا ہے اور یہیں سے تشنہ فطرت آئندہ بھی اپنی پیاس بجھایا کرے گی، قرآن کریم اپنے اندر تعلیم کے کئی طریقہ رکھتا ہے، جن میں سے کچھ طریقے پیش خدمت ہیں:

۱- **وضاحت:** تعلیم کا بنیادی اصول یہ ہے کہ بات صاف صاف کہی جائے، وہ معلم جو گول مول انداز سے اپنی بات بتائے وہ کبھی کامیاب معلم نہیں بن سکتا، اللہ کی کتاب نے اس طریقہ پر بہت زور دیا ہے، متعدد مقامات پر خود قرآن ہی کی صفت "کتاب مبین" لائی گئی ہے، کئی مقامات پر اس کلام کو "بیان و تفصیل" کہا گیا، انبیاء ورسل کو اللہ نے اس کا مکلّف کیا کہ وہ پوری وضاحت کے ساتھ اپنی دعوت پیش کریں ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ﴾ (ابراھیم: ٤) (ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان دے کر بھیجا تا کہ وہ پوری وضاحت کے ساتھ قوم کے سامنے اپنی بات پیش کرے) یہی وجہ ہے کہ ہر رسول کو اپنی قوم کی اعلیٰ ترین زبان کے ساتھ بھیجا گیا۔

بیان وتبیین کی قیمت اللہ کے نزدیک اتنی زیادہ ہے کہ صرف اسی حوالہ سے حضرت موسی نے حضرت ہارون کے لیے نبوت مانگی، اللہ نے ان کو بھی کمال نبوت سے آراستہ کیا، تفصیل کا یہاں موقع نہیں ﴿وَأَخِي هَارُونُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَاناً فَأَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْءاً يُصَدِّقُنِي إِنِّي أَخَافُ أَن يُكَذِّبُونِ ☆ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ﴾ (القصص: ٣٤-٣٥) (اور میرے بھائی ہارون مجھ سے بڑھ کر زبان آور ہیں تو ان کو بھی میرے ساتھ رسول بنا دیجئے، میری مدد کے لیے وہ میری تصدیق کریں گے، مجھے اندیشہ ہے کہ لوگ مجھے جھٹلائیں گے، ارشاد ہوا ہم تمہارے بھائی کو تمہارا قوت بازو ضرور بنائیں گے)

۲- **استدلال:** اپنی بات کو دلائل سے آراستہ کر کے پیش کرنا تعلیم کا اہم ترین طریقہ ہے، بے دلیل بات بہت کم قبول کی جاتی ہے، تعلیم وہ ہے جس میں ذہن و دماغ کے بند دریچے کھول دیئے جائیں اور پوری بشاشت کے ساتھ بات کو سمجھ لیا جائے اور اپنی بات پر وہ دلائل دیئے جائیں، جن کو عقل سلیم تسلیم کرے اور انسانی طبیعت بے اختیار اس کی طرف کھنچنے لگے، تعلیم کا یہ نہج قرآن کریم کا عطا کردہ ہے، جابجا اللہ رب العزت نے اپنی طرف سے دلائل پیش کئے ہیں، اور منکرین سے دلائل طلب فرمائے ہیں: ﴿قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾ (النمل: ٦٤) (کہہ دیجیے اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل لے آؤ) ﴿قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوهَا إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾ (آل عمران: ٩٣) (آپ کہہ دیجیے تورات لے آؤ اور اسے پڑھو اگر تم سچے ہو) ﴿قُلْ أَرُونِيَ الَّذِينَ أَلْحَقْتُم بِهِ شُرَكَاءَ كَلَّا بَلْ هُوَ اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (السبا: ٢٧) (کہیے کہ ذرا مجھے ان ساجھے داروں کو دکھاؤ جن کو تم نے اس کے ساتھ ملا رکھا ہے، کوئی نہیں وہ اللہ زبردست ہے حکمت رکھتا ہے) ﴿أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَاوَاتِ﴾ (الفاطر: ٤٠) (ذرا مجھے دکھاؤ زمین سے انھوں نے کیا پیدا کیا یا آسمانوں میں ان کی کوئی ساجھے داری ہے) یہ تمام آیات طلب دلیل سے متعلق ہیں، استدلال کے باب میں یہ آیات کافی ہوں گی: ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا﴾ (الأنبیا: ٢٢) (اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو دونوں کا نظام بگڑ کر رہ جاتا) ﴿وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَهٍ إِذاً لَّذَهَبَ كُلُّ إِلَهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ﴾ (المومنون: ٩١) (اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے (اگر ایسا ہوتا) تو ہر خدا اپنی مخلوق لے کر چل دیتا اور سب ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتے) ﴿أَلَيْسَ ذَلِكَ بِقَادِرٍ عَلَى أَن يُحْيِيَ الْمَوْتَى﴾ (القیامة: ٤٠) (بھلا اس کو اس پر قدرت نہ ہوگی کہ وہ مردوں کو پھر سے زندہ کردے) ﴿قَالَ مَن يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ☆ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ (یس: ٧٨-٧٩) (کہتا ہے کہ کون ہڈیوں میں جان ڈالے گا جبکہ وہ

بوسیدہ ہوچکیں ☆ کہہ دیجیے کہ ان میں وہی جان ڈالے گا جس نے پہلی بار ان کو بنایا)

۳-اضداد کا ذکر: آج کل تعلیم میں یہ طریقہ رائج ہے کہ الفاظ کے اضداد بتلائے جاتے ہیں، تاکہ الفاظ اپنی ضد کی روشنی میں پورے طور پر واضح ہوجائیں، اس طریقہ کو جدید طریقہ تعلیم میں نہایت مفید طریقہ تسلیم کیا گیا ہے، بالخصوص ابتدائی تعلیم میں اس کا بڑا خیال رکھا جاتا ہے، یہ طریقہ تعلیم حقیقت میں قرآن کریم کا عطا کردہ ہے، اس نے سب سے پہلے یہ سلسلہ شروع کیا کہ بات کو اضداد کے ذریعہ پیش کیا جائے تاکہ بات اس قدر واضح ہوجائے کہ کسی شک کی گنجائش ہی نہ رہے، اللہ رب العزت اور معبودان باطل، اہل ایمان، اہل کفر، جنت، دوزخ، ثواب، عذاب، نیک، بد، کتنی مثالیں دی جائیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت نے کس کس انداز سے انسانوں کے سامنے ہدایت کو کھول کر رکھ دیا ہے۔

۴-ضرب المثل: مشکل بات کو آسان مثالوں سے سمجھانا تعلیم کا نہایت عمدہ طریقہ ہے، جو جتنی واضح مثالیں پیش کرے گا اسی قدر وہ باکمال معلم قرار پاتا ہے، اللہ کی کتاب نے انسانوں کی ہدایت کے لیے اس طریقہ کو وضاحت و بیان کے لحاظ سے ''مثل'' یعنی نمونہ فرمایا ہے، ارشاد ہے: ﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَـٰذَا الْقُرْآنِ مِن كُلِّ مَثَلٍ﴾ (الاسراء: ۸۹) (اور ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر طرح کی مثالیں بدل بدل کر بیان کردی ہیں) ایک اور جگہ یوں ہے: ﴿كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ﴾ (الرعد: ۱۷) (اللہ ایسے ہی مثالیں بیان فرماتا رہتا ہے) مزید کلمہ طیبہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے شجرہ طیبہ کی مثال پیش فرمائی ہے: ﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ﴾ (ابراھیم: ۲۴) (کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے اچھی بات کی مثال ایک اچھے درخت سے دی جس کی جڑ مضبوط ہے اور جس کی شاخیں آسمان سے باتیں کرتی ہیں) یہ نادر ترین تشبیہ اپنے اندر بلاغت کے ایک پورے سمندر کو سموئے ہوئے ہے۔

۵-مقصدیت: قرآن کریم کا ایک اچھوتا انداز تعلیم یہ بھی ہے کہ دوران کلام اصل مقصد کی یاد تازہ کی جاتی رہے، قرآن کریم جامع ترین کلام ہے، اس میں آخرت کے ساتھ دنیاوی امور بھی بتائے گئے ہیں، لیکن فوراً ہی کسی نہ کسی مناسبت سے ذہن آخرت کی طرف موڑ دیا گیا ہے، تاکہ انسان یہ حقیقت کبھی فراموش نہ کرے کہ اصل قیمت آخرت کی ہے اور اس کی کامیابی حقیقی کامیابی ہے، مثلاً: ایک جگہ سورۂ اعراف میں لباس کا ذکر ہے، اس کے فوراً بعد یہ ارشاد ہے کہ تقوی کا لباس سب سے بہتر ہے، یعنی عام مسائل کے فوراً بعد اصل حقیقت کی یاددہانی کرائی گئی ہے، سورۂ بقرہ میں حج کے سفر کے لیے زادِ سفر لینے کی ہدایت ہے اس کے معاً بعد یہ ٹکڑا ہے: ﴿وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ﴾ (البقرۃ: ۱۹۷) (سب سے بہترین زاد سفر تقوی ہے) یعنی مادی زادِ سفر تو رہے ہی، اصل روحانی زادِ سفر تقوی کو کبھی فراموش نہ کیا جائے، سورۂ نحل میں بار برداری اور سواری کے جانوروں کا تذکرہ ہے، پھر معاً بعد یہ کہا گیا ہے: ﴿وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ﴾ (النحل: ۹) (سیدھا راستہ تو اللہ تک پہنچتا ہے) گویا اللہ سے پورے طور پر وابستہ کیا جارہا ہے، یہ قرآن کا عجیب و غریب انداز تعلیم ہے کہ کبھی اپنے مقصد کو فراموش نہ کیا جائے، شاید اسی لیے اللہ کے کلام میں اللہ کا نام ڈھائی ہزار سے زائد دفعہ آیا ہے، رب کا ذکر پانچ سو سے زیادہ دفعہ ہوا ہے، رحمٰن و رحیم اور دوسری متعدد صفات کا ذکر سیکڑوں سے متجاوز ہے، کیا یہ اس کا اعلان نہیں کہ اصل مرکز سے کبھی ہٹا نہ جائے اور مقصدیت کو کبھی فوت نہ ہونے دیا جائے، ایک معلم کے لیے اس میں یہ سبق ہے کہ کبھی اصل بنیاد سے ہٹ کر دوسری چیزوں میں وقت ضائع نہ کرے۔

۶-یکسوئی: جذبہ طریقہ تعلیم ہمیں یہ بتاتا ہے کہ سیکھنے کے دوران دماغ، آنکھ اور کان تینوں ذرائع کو بیدار رکھا جائے، اس سے بات جلدی سمجھ میں آجاتی ہے، اور تعلیم دینا آسان ہوجاتا ہے، اللہ تعالیٰ ان ذرائع کا خالق ہے اسی نے سب سے پہلے اس کی تاکید کی تھی کہ بات کو سمجھنے کے لیے آنکھ، کان اور دل کا پورا پورا استعمال کیا جائے، ایک جگہ قوموں کے واقعات اور جنت و جہنم کے اجمالی تذکرہ کے بعد اللہ نے یہ بات ارشاد فرمائی: ﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ﴾ (ق: ۳۷) (یقیناً اس میں نصیحت ہے اس کے لیے جو دل رکھتا ہو یا کان لگادے اور دماغ حاضر رکھے) آیت کے ایک ہی ٹکڑے میں تعلیم کے تینوں

ذرائع کا یکبارگی استعمال ہوا ہے، اسی لیے جہاں کہیں کسی پر ٹھپہ لگانے کی بات ہوتی ہے تو ان ہی تین ذرائع کا نام لیا جاتا ہے، جیسے: ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ﴾ (البقرۃ: ۷) (اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگادی ہے، اور ان کی نگاہوں پر پردہ ہے)

۷- **حقیقت بیانی**: یہ تعلیم کا نچوڑ ہے، انداز بیان چاہے جتنا دلکش ہو اگر بیان حقیقت پر مبنی نہیں ہے تو انداز قطعاً متاثر نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اس کا درس دیا ہے کہ واقعات اور باتوں کو بالا کم وکاست اسی انداز سے ظاہر کیا جائے جس طرح وہ نفسِ ہیں، مبالغہ آرائی جھوٹ کا دوسرا نام ہے، اس سے معیارِ تعلیم بہت گرتا ہے، ارشاد ہے: ﴿إِنَّ هَـٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ﴾ (ال عران: ٦٢) (یہی (واقعات کا) سچا بیان ہے) اصحاب کہف کے قصہ کی ابتداء یوں ہوتی ہے: ﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُم بِالْحَقِّ﴾ (الکھف: ١٣) (ہم ٹھیک ٹھیک آپ کو ان کا قصہ سناتے ہیں)

۸- **حوالہ**: تحقیقی مقالات حوالوں کے بغیر غیر معتبر سمجھے جاتے ہیں، یہ طریقہ بھی اللہ کے کلام کا عطا فرمودہ ہے، یہودیوں سے مخاطب ہوکر خود اللہ نے یہ بات ارشاد فرمائی: ﴿قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوهَا إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾ (آل عمران: ٩٣) (آپ کہہ دیجیے تورات لے آؤ اور اسے پڑھو اگر تم سچے ہو) یا مشرکین سے یہ کہنا: ﴿ائْتُونِي بِكِتَابٍ مِّن قَبْلِ هَـٰذَا أَوْ أَثَارَةٍ مِّنْ عِلْمٍ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾ (الأحقاف: ٤) (اس سے پہلے کوئی کتاب ہو یا کوئی علمی روایت ہو تو میرے پاس لاؤ اگر تم (اپنی بات میں) سچے ہی ہو)

۹- **افادیت**: تعلیم کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ سیکھنے والے کے ذہن میں یہ بات راسخ کی جائے کہ یہ تعلیم اس کے لیے نہایت مفید ہے، فائدہ بتائے بغیر جو تعلیم دی جاتی ہے اس میں طالب علم صحیح دلچسپی نہیں لیتا، تعلیم کا یہ بنیادی اصول ہمیں اللہ کی کتاب نے عطا کیا ہے، اللہ کی کتاب نے جابجا اس کا ذکر کیا ہے کہ یہ قرآن سراسر انسانوں کے فائدے کے لیے نازل کیا گیا ہے، اس کا کہنا ہے ﴿إِنَّ هَـٰذَا الْقُرْآنَ يِهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْراً كَبِيراً﴾ (الاسراء: ٩) (بے شک یہ قرآن نہایت درست راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور نیک کام کرنے والے مومنین کو بہت بڑے اجر کی خوش خبری دیتا ہے) اس کا یہ بھی کہنا ہے: ﴿هُدًى وَذِكْرَى لِأُولِي الْأَلْبَابِ﴾ (الغافر: ٥٤) (یہ قرآن عقل رکھنے والوں کے لیے سراسر ہدایت اور نصیحت ہے) ایک جگہ اس نے اپنا تعارف یوں کیا ہے: ﴿هُدًى وَبُشْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ﴾ (البقرۃ: ٩٧) (ایمان والوں کے لیے ہدایت اور بشارت کے طور پر) ایک جگہ اور ﴿هُدًى وَرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِينَ﴾ (لقمان: ٣) (ہدایت ورحمت ہیں اچھے کام کرنے والوں کے لیے) کے الفاظ آئے ہیں، ایک اور مقام پر اللہ نے صاف صاف یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ ہم نے اس کتاب کو لوگوں کے لیے یعنی لوگوں کے فائدے کے لیے نازل کیا ہے، ارشاد ہے: ﴿إِنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ﴾ (الزمر: ٤١) (ہم نے آپ پر یہ کتاب تمام لوگوں کے فائدے کے لیے ٹھیک ٹھیک اتاری)

۱۰- **امتحان**: تعلیم کا ایک اہم عنصر امتحان ہے، اسے بعد کا طریقہ سمجھا جاتا ہے، حالانکہ غور کیا جائے تو سب سے پہلے اللہ کی کتاب نے تصورِ امتحان پیش کیا ہے، گرچہ اس کا تعلق براہ راست تعلیم سے نہیں ہے، البتہ اصولی طور پر اللہ کی کتاب نے یہ رہنما اصول عطا کیا کہ ہمیشہ پوری جانچ کے بعد ہی فیصلہ کیا جائے، اس سلسلہ میں متعدد آیات پیش کی جاسکتی ہیں، بطور نمونہ ایک مبارک آیت ملاحظہ ہو: ﴿الم ☆ أَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُتْرَكُوا أَن يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ☆ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ﴾ (العنکبوت: ١-٣) (الم، کیا لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ صرف "ہم" ایمان لائے کہہ دینے سے ان کو ایسے ہی چھوڑ دیا جائے گا (اور ان کا ایمان قبول کیا جائے گا) اور ان کو آزمایا نہیں جائے گا؟ بالتحقیق ہم نے ان سے پہلے گذرے ہوئے لوگوں کو آزمایا ہے، تو اللہ خوب اچھی طرح جان لے گا کہ کون سچے ہیں اور یہ بھی معلوم کرے گا کہ کون جھوٹے ہیں) بلاشبہ آیت مبارکہ ایک دوسرے معاملہ میں امتحان کا ذکر کر رہی ہے، لیکن اس سے یہ اصول معلوم ہوا کہ جب تک جانچ نہ ہو اس وقت تک سند نہ دی جائے اور امتحان بھی ایسا ہو جس سے ممکن حد تک اصل حقیقت واضح ہوجائے۔

۱۱- **پابندیٔ وقت**: وقت کی پابندی تعلیم کا اہم ترین جزء ہے، اس معاملہ میں بھی اللہ کے کلام کو اولیت حاصل ہے، اللہ کے کلام

نے جابجا متعدد پہلوؤں سے وقت کی قدر و قیمت کا احساس دلایا ہے، اللہ رب العزت نے تمام ارکان اسلام کو اوقات کے ساتھ جوڑا ہے، وقت گذر جانے کے بعد پھر بڑی سے بڑی عبادت بھی اللہ کے یہاں شرف قبولیت نہیں پاتی، فرعون کا واقعہ اس سلسلہ میں چشم بصیرت کھولنے کے لیے کافی ہے، اس نے پورے طور پر اسلام قبول کرلیا تھا، لیکن وقت گذر جانے کے بعد۔ اس لیے وقت ہی کا حوالہ دے کر اس کے ایمان کو قبول نہیں کیا گیا، فرعون کے اعلان کے جواب میں یہ بات ارشاد فرمائی گئی: ﴿آلآنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ﴾ (یونس: ۹۱) (کیا اب؟؟ (ایمان لا رہا ہے!) جب کہ تو پہلے ہی سے نافرمان چلا آرہا ہے اور تو تو بہت بڑا مفسد تھا)

قرآنی منہج تعلیم کے تعلق سے یہ کچھ جھلکیاں پیش کی گئیں، ورنہ یہ بات ہر طالب علم جانتا ہے کہ اللہ کا عظمت والا کلام تمام قدیم وجدید منہج تعلیم سے بالاتر ہے، ہر دور میں اس سے بنیادی اصول اخذ کیے جاتے رہے ہیں، اور آئندہ کیے جاتے رہیں گے، اس کا آسمان اتنا بلند اور وسیع ہے کہ کل انسانیت اس کی چھاؤں میں راحت کی زندگی بسر کرسکتی ہے، اس کا سمندر کبھی پایاب ہونے والا نہیں، اس سمندر سے لاتعداد گوہر آبدار برآمد ہوتے رہیں گے اور اللہ کے بندے مالا مال ہوتے رہیں گے، لیکن اللہ کے کلام کے خزانے کبھی ختم نہیں ہوں گے، اس کے عجائبات لامحدود، اس کی تازگی بوسیدگی سے ناآشنا، اس کی شادابی کبھی مرجھا نہیں سکتی، دنیا کی ہر بہار کے لیے خزاں مقدر، لیکن قرآنی بہار ہر خزاں کے لیے نوید بہار، وہ کیسے خزاں آشنا ہوسکتی ہے!!

بقیہ: نماز کے آداب و مستحبات

.....علامہ کاشانی فرماتے ہیں: اگر سورت کے بیچ یا آخر سے پڑھے تو جائز ہے، فقیہ ابوجعفر ہندوانی نے اسی طرح روایت نقل کی ہے، لیکن مستحب وہی ہے جس کا ہم نے ذکر کیا۔ (بدائع: ۱/۴۸۳)

ایک رکعت میں دو سورتیں جمع کرنا: ایک رکعت میں دو سورتیں پڑھنا مکروہ نہیں ہے، بشرطیکہ وہ سورتیں مسلسل ہوں، لیکن بہتر یہی ہے کہ مستقل اس کی عادت نہ ڈالے۔

(بدائع الصنائع: ۱/۴۸۲، ہندیہ: ۱/ ۷۸، شامی: ۱/۴۰۴)

درمیان میں چھوٹی سورہ چھوڑ دینا یا خلاف ترتیب پڑھنا: اگر پہلی رکعت میں ایک سورہ پڑھی، اس کے بعد ایک چھوٹی سورہ تھی وہ چھوڑ دی، مثلاً: پہلی رکعت میں "قل یا أیھا الکافرون" پڑھی، پھر درمیان میں "اذا جاء" چھوڑ دی، اور "تبت یدا" پڑھی یا خلاف ترتیب سورہ پڑھی، مثلا: پہلی رکعت میں سورہ "قل یا أیھا الکافرون" پڑھی اور دوسری رکعت میں ألم ترکیف پڑھی تو جان بوجھ کر ایسا کرنا مکروہ ہے، لیکن بھولے سے ایسا ہوجائے تو نماز میں کوئی فرق نہیں پڑے گا، اسی لیے بیچ میں چھوٹی سورہ چھوڑ کر تلاوت شروع کردی یا خلاف ترتیب تلاوت شروع کردی پھر یاد آگیا تو اب تلاوت جاری رکھے، اس کو چھوڑ کر اصلاح کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (شامی: ۱/۴۰۴)

لیکن یہ حکم فرائض کا ہے نوافل میں قصداً بھی اس طرح کرنا مکروہ نہیں ہے۔ (ایضا)

جمعہ کے دن کی فجر کی نماز میں افضل سورہ: جمعہ کے دن فجر کی نماز میں پہلی رکعت میں سورہ الم سجدہ اور دوسری رکعت میں سورہ دھر پڑھنا افضل ہے، اور آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے، لیکن مستقل ایسا نہ کرے، تاکہ لوگ اس کو لازم نہ سمجھ لیں۔ (شامی: ۱/۴۰۲، بخاری و مسلم)

اسی طرح آنحضرت ﷺ جمعہ کی رات میں (یعنی جمعرات اور جمعہ کے درمیان والی رات میں) مغرب کی نماز میں پہلی رکعت میں سورۂ کافرون اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھا کرتے تھے، کبھی کبھار اس کو پڑھنا بھی افضل ہے۔

(مشکاۃ: ۱/۸۰، باب القراءۃ)

جمعہ اور عیدین میں افضل سورہ: مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جمعہ اور عیدین کی پہلی رکعت میں سبح اسم ربك الأعلی اور دوسری رکعت میں سورہ ھل أتاك پڑھا کرتے تھے، مسلم ہی کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جمعہ کی پہلی رکعت میں سورہ جمعہ اور دوسری رکعت میں سورۂ منافقون پڑھا کرتے تھے، اور عیدین میں پہلی رکعت میں ق والقرآن المجید اور دوسری رکعت میں اقتربت الساعۃ وانشق القمر پڑھا کرتے تھے، لہٰذا کبھی کبھار ان سورتوں کا پڑھنا مستحب اور مسنون ہے لیکن مستقل نہ پڑھے تاکہ لوگ اس کو لازم نہ سمجھ لیں۔ واللہ اعلم

ماہ ربیع الاول کا پیغام

خلیل حسنی ندوی

ربیع الثانی کا مہینہ ہم پر سایہ فگن ہے، یہ ربیع الثانی ربیع الاول کا تتمہ ہے، ربیع الاول کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس کے انتظار میں پیر کہن سال دہر نے کروروں برس صرف کردیئے، سیارگان فلک اسی دن کے شوق میں ازل سے چشم براہ تھے، چرخ کہن مدت ہائے دراز سے اسی صبح جاں نواز کے لیے لیل ونہار کی کروٹیں بدل رہا تھا، کارکنان قضاء وقدر کی بزم آرائیاں، عناصر کی جدت طرازیاں، ماہ وخورشید کی فروغ انگیزیاں، ابروباد کی تردستیاں، عالم قدس کے انفاس پاک، توحید ابراہیم، جمال یوسف، معجز طرازی موسی، جان نوازی مسیح، سب اسی لیے تھے کہ یہ متاع ہائے گران ارزشاہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں کام آئیں گے، اسی مہینہ میں یتیم عبداللہ، جگر گوشہ آمنہ، شاہ حرم، حکمران عرب، فرماں روائے عالم، شہنشاہ کونین، عالم قدس سے عالم امکان میں تشریف لائے عزت واجلال ہوا، آپ کی آمد سے اس گھٹا توپ دنیا میں اجالا ہوا، پیاسی دھرتی سیراب ہوئی، سسکتی انسانیت کو نئی زندگی ملی، ہلاکت کے دہانے پر پہنچ چکی دنیا کو بقاء عارضی کا ایک موقع ملا، توحید کا غلغلہ اٹھا، چمنستان سعادت میں بہار آگئی، آفتاب ہدایت کی شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں، اخلاق انسانی کا آئینہ پرتو قدس سے چمک اٹھا۔

اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت نہ ہوتی، ماہ ربیع الاول کی آغوش میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پاکیزہ اور معطر وجود نہ ہوتا، تو دنیا اپنا وجود کھو دیتی، انسانیت دم توڑ چکی ہوتی، پیاسی دھرتی اپنی آنکھیں بند کرچکی ہوتی، دنیا علم سے ناآشنا ہوتی، علم وحکمت اور معرفت و دانائی کا کوئی وجود نہیں ہوتا، دل کی بستی بنجر اور ویران ہوتی۔

لیکن خالق ارض وسماء نے اس دنیا کے بقاء کا فیصلہ کیا، آخری نبی کی اس ماہ ربیع الاول میں ولادت باسعادت ہوئی، آپ کی ولادت سے تاریکیاں چھٹ گئیں، روشنی پورے عالم میں پھیل گئی، یہ اس بات کی دلیل تھی کہ آپ کی ولادت صرف ایک خطہ، علاقہ، شہر یا ایک کی رہنمائی کے لیے نہیں ہوئی، بلکہ آپ تو سارے عالم کو مسخر کرنے کے لیے، پوری انسانیت کی فلاح وبہبود کے لیے فرستادہ امن بن کر چراغ ہدایت لے کر تشریف لائے ہیں، آپ نے فرمایا، بعثت لاتمم مکارم الاخلاق، مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے

ذیل میں ہم ان اخلاقی تعلیمات کی ایک مجمل فہرست درج کرتے ہیں جن کی تعلیم یا ممانعت کا علم ہم کو حضور ﷺ سے ہوا ہے۔

سچ بولنا، جھوٹ کی برائی، علم بے عمل کی مذمت، عام عفو ودرگذر، توکل، صبر، شکر، حق پر استقامت، خدا کی راہ میں جان دینا، سخاوت اور خیرات کا حکم، بخل کی برائی، اسراف اور فضول خرچی کی ممانعت، میانہ روی کی تاکید، عزیزوں، قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور پڑوسیوں کے ساتھ نیکی، مسافروں، سائلوں، اور غریبوں کی امداد، ایثار، تحمل، دوسروں کو معاف کرنا، بدی کا بدلہ نیکی سے دینا، صدقہ وخیرات، نیکی اور بھلائی کی بات کرنا، آپس میں لوگوں کے درمیان محبت پیدا کرنا کسی کو برا بھلا نہ کہنا، کسی کو نہ چڑھانا، نہ برے ناموں سے یاد کرنا، والدین کی خدمت، اور اطاعت، سلامتی کی دعا دینا، حق گوئی، انصاف پسندی، سچی گواہی دینا، صلہ رحمی کرنا، بچوں سے محبت کرنا، چھوٹوں پہ شفقت کرنا وغیرہ یہ وہ اخلاقی تعلیمات ہیں جن کا علم ہم کو آخری نبی ﷺ سے ہوا، آپؐ نے صرف تعلیمات ہی نہیں دیں بلکہ ان کو برت کر بھی دکھایا، آپ کی پوری زندگی ان اخلاق کا آئینہ دار ہے، حضرت عائشہؓ نے فرمایا، کان خلقہ القرآن، آپ کے اخلاق قرآنی ہیں، یعنی قرآن میں جو اخلاق بیان کیے گئے ہیں ان کا عکس آپ کی زندگی میں نظر آتا ہے، یہ ماہ مبارک ہمیں بتاتا ہے کہ ہم کیا تھے۔

یہ ماہ ربیع الاول بعثت سے قبل دنیا کا منظر نامہ بھی ہمیں یاد دلاتا ہے اور بعثت کے بعد دنیا نے کیا کروٹ لی اس سے بھی آگاہ کرتا ہے، یہ ہمیں بتاتا ہے کہ ہماری دونوں جہاں کی کامیابی کا دارومدار نبی کی بات ماننے میں ہے نہ کہ ان کے حکم سے سرتابی کرنے میں، یہ ہمیں بتاتا ہے کہ محض لفاظی سے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا بلکہ اس کو عمل میں بھی لانا ہوگا۔

آج ہم ماہ ربیع الاول کو جس طریقہ سے مناتے ہیں، اس کا نقشہ مولانا ابوالکلام آزاد نے یوں کھینچا ہے:

”تم اپنے گھروں کو مجلسوں سے آباد کرتے ہو، مگر تمہیں اپنے دل کی اجڑی ہوئی بستی کی بھی کچھ خبر ہے؟ تم کافوری شمعوں کی قندیلیں روشن کرتے ہو مگر اپنے دل کے اندھیرے کو دور کرنے کے لیے کوئی چراغ نہیں ڈھونڈتے؟ تم پھولوں کے گلدستے سجاتے ہو مگر آہ! تمہارے اعمال حسنہ کا پھول مرجھا گیا ہے، تم گلاب کے چھینٹوں سے اپنے رومال وآستین معطر کرنا چاہتے ہو مگر آہ! تمہاری غفلت کہ تمہاری عظمت اسلامی کی عطر بیزی سے دنیا کی مشام روح یکسر محروم ہے! کاش تمہاری مجلسیں تاریک ہوتیں، تمہارے اینٹ اور چونے کے مکانوں کو زیب وزینت کا ایک زرہ نصیب نہ ہوتا، تمہاری آنکھیں رات رات بھر مجلس آرائیوں میں نہ جاگتیں، تمہاری زبانوں سے ماہ ربیع الاول کی ولادت ک لیے دنیا کچھ نہ سنتی، مگر تمہاری روح کی آبادی معمور ہوتی، تمہاری دل کی بستی نہ اجڑتی، تمہارا طالع خفتہ بیدار ہوتا اور تمہاری زبانوں سے نہیں مگر تمہارے اعمال کے اندر سے اسوہ نبوی کی مدح وثنا کے ترانے اٹھتے۔

یہ ماہ ربیع الاول اگر تمہارے لیے خوشیوں کی بہار ہے تو صرف اس لیے کہ اسی مہینہ میں دنیا کی خزان ضلالت ختم ہوئی، اور کلمہ حق کا موسم شروع ہوا، پھر اگر آج دنیا کی عدالت مسموم ضلالت کے جھونکوں سے مرجھا گئی ہے تو اے غفلت پرستو! تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ بہار کی خوشیوں کی رسم تو مناتے ہو مگر خزاں کی پامالیوں پر نہیں روتے۔“

بقیہ: اسلامی سزائیں اور ان کی حکمتیں

دوسرے موقع پر یہ تعلیم بھی دی ہے کہ مجرموں کے لیے، جو یہ سزا پائیں، ہمارے دل میں نرمی اور رحم کا کوئی جذبہ نہ پیدا ہونا چاہیے، اس لیے کہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کے تجویز کردہ طریقہ کار کا ہے: ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (المائدۃ: ۳۸) (چور اور چورنی دونوں کے ہاتھ قطع کردو، بدلہ اس کا جو انہوں نے کیا، اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے)

﴿وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ (النور: ۲) (تمہارے اندر ان دونوں کے لیے نرمی اور رحم کا کوئی جذبہ پیدا نہ ہو اگر تمہارا اللہ اور آخرت پر ایمان ہے)

جنوں کا نام خرد!

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا میں ایٹم بم پر جو مقالہ لکھا گیا ہے اس کو ذرا کھول کر دیکھیں، اس میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ دنیا میں ایٹم بم کا استعمال دو جگہ پر کیا گیا ہے، ایک ہیروشیما اور دوسرے ناگاساکی پر، اور ان دونوں مقامات پر ایٹم بم کے ذریعہ جو تباہی ہوئی اس کا ذکر تو بعد میں آگے چل کر کیا ہے، لیکن اس مقالے کو شروع یہاں سے کیا گیا ہے کہ ہیروشیما اور ناگاساکی پر جو ایٹم بم برسائے گئے اس کے ذریعہ ایک کوڑ انسانوں کی جانیں بچائی گئیں، اور ان کو موت کے منہ سے نکالا گیا، اور اس کی منق یہ لکھی ہے کہ اگر ہیروشیما اور ناگاساکی پر بم نہ گرائے جاتے تو پھر جنگ مسلسل جاری رہتی اور اس میں اندازہ یہ تھا کہ تقریبا ایک کروڑ انسانوں کی جانیں بچائی گئیں، یہ اس واقع کا جواز پیش کیا جارہا ہے جس پر ساری دنیا لعنت بھیجتی ہے کہ ایٹم بم کے ذریعہ ہیروشیما اور ناگاساکی میں ان بچوں کی نسلیں تک تباہ کردی گئیں، بے گناہوں کو مارا گیا، اور یہ جواز عقل کی بنیاد پر ہے۔

لہٰذا کوئی بری سے بری اور کوئی سنگین سے سنگین خرابی ایسی نہیں ہے جسکے لیے عقل کوئی نہ کوئی دلیل اور کوئی نہ کوئی جواز فراہم نہ کردے۔

آج ساری دنیا فاشزم پر لعنت بھیج رہی ہے اور سیاست کی دنیا میں ہٹلر اور مسولینی کا نام ایک گالی بن گیا ہے، لیکن آپ ذرا ان کا فلسفہ تو اٹھا کر دیکھیں کہ انہوں نے اپنے فاشزم کو کس طرح فلسفیانہ انداز میں پیش کیا ہے، ایک معمولی سمجھ کا آدمی اگر فاشزم کے فلسفہ کو پڑھے گا تو اسے اعتراف ہونے لگے گا کہ بات تو سمجھ میں آتی ہے معقول بات ہے، یہ کیوں ہے؟ اس لیے کہ عقل ان کو اس طرف لے جارہی ہے، بہرحال! دنیا کی کوئی بد سے بدتر برائی ایسی نہیں ہے جس کو عقل کی دلیل کی بنیاد پر صحیح تسلیم کرانے کی کوشش نہ کی جاتی ہو، اس لیے کہ عقل کو اس جگہ استعمال کیا جارہا ہے جہاں اس کے استعمال کی جگہ نہیں ہے۔

قیامت کی نشانیاں

محمد ارمغان بدایونی ندوی

عَنْ أَبِي مُوسىٰ الْأَشْعَرِيِّ (رضی اللہ عنہ) قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: انَّ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ لَأَيَّاماً يَنْزِلُ فِيْهَا الْجَهْلُ وَيُرْفَعُ فِيْهَا الْعِلْمُ وَيَكْثُرُ فِيْهَا الْهَرْجُ. (صحيح البخاری: ۷۰۶۲)

ترجمہ:- حضرت ابوموسی اشعریؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت سے قبل ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں جہالت اترے گی، علم اٹھالیا جائے گا، اور قتل وقتال بڑھ جائے گا۔

فائدہ:- اہل ایمان کو قرآن وحدیث میں متعدد مقامات پر یہ ذہن نشیں کرایا گیا ہے کہ دنیوی زندگی کو دوام نہیں، ہر کسی کو یہاں سے ایک دن جانا ہے، اور ایک وہ دن بھی آئے گا جب دنیا کی ہر چیز فنا ہوجائے گی، تنہا اللہ رب العزت کی ذات باقی رہ جائے گی، مگر ایسا وقت آنے سے پہلے نبی اکرم ﷺ نے مختلف علامتیں بیان کی ہیں، جن کے ظہور سے یہ سمجھا جائے گا کہ اب قیامت بہت قریب ہے، ان نشانیوں میں سے اہم نشانیاں یہ ہیں: حضرت مہدی کا ظہور، حضرت عیسی کا اترنا، یاجوج ماجوج کا نکلنا، دجال کا نکلنا، دابۃ الارض کا نکلنا اور سب سے آخر میں سورج کا مغرب سے طلوع ہونا۔

تاہم قیامت کی ان اہم اور بڑی نشانیوں کے علاوہ آپ ﷺ نے دیگر چیزوں کی طرف بھی نشاندہی فرمائی ہے کہ ان کے چلن کا عام ہونا قرب قیامت کی دلیل ہے، جیسا کہ مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری زمانہ میں جہالت عام ہوجائے گی، علم اٹھالیا جائے گا، اور قتل وقتال کا سلسلہ بڑھ جائے گا۔ اس کے علاوہ دیگر روایات میں آتا ہے کہ قرب قیامت کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ امانتوں کا پاس ولحاظ ختم ہوجائے گا، زلزلوں کی کثرت ہوگی، بے حیائی عام ہوجائے گی، زنا کی کثرت ہوگی، سود ورشوت کا بازار گرم ہوگا، لوگ چند منافع کے حصول کے لیے اپنے دین کا سودا کرلیں گے، وغیرہ وغیرہ۔

اس تناظر میں آج کے زمانہ پر اگر طائرانہ نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس وقت یہ تمام باتیں ہمارے معاشرہ میں کسی نہ کسی حد تک عام ہوچکی ہیں، مندرجہ بالا حدیث میں جہالت کے اترنے، اور علم کے اٹھائے جانے کی طرف جو اشارہ کیا گیا ہے، اس کو سامنے رکھتے ہوئے یہ اندازہ لگانا مشکل نہ ہوگا کہ آج کل جہالت کتنی تیزی سے پھیل رہی ہے، اور وہ حقیقی علم جس سے عالم انسانیت کی پیاس بجھتی ہے کس قدر عنقا ہوتا جارہا ہے۔

بلاشبہ یہ قیامت ہی کی نشانیوں میں سے ہے کہ آج تعلیمی معیار کی بلندی کے چرچے ہیں، تعلیمی اداروں کی کثرت ہے، جدید وسائل کو اختیار کرکے علم کی اشاعت پر زور دیا جارہا ہے، مگر اس کے باوجود بھی لوگ اس علم کے متلاشی ہیں جو سکون بخشتا ہو، اس بات کی طرف رہنمائی کرتا ہو کہ والدین کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہیے، بھائی بھائی کا کیا معاملہ ہونا چاہیے، بہنوں اور بیٹیوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہیے، پڑوسیوں کے کیا حقوق ہیں۔

ان سب چیزوں کی طرف غور کرنے پر یہ احساس ہوتا ہے کہ دنیا گرچہ تعلیمی معیار کے نصف النہار پر پہنچ گئی ہے، البتہ حقیقت یہ ہے کہ وہ حقیقی علم سے ناآشنا ہوچکی ہے، اس علم کے بھنور میں پھنس کر رہ گئی ہے جو علم صرف مادیت کے ساحل سے ہم کنار کرتا ہے، اسی لیے معاشرے میں ناسمجھی کی باتیں یعنی جہالت عام ہورہی ہے اور علم کا معیار گھٹتا جارہا ہے۔

حدیث میں قرب قیامت کی علامات میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ قتل وقتال کی کثرت ہوگی، قتل وقتال کے عام ہونے کا بنیادی سبب لوگوں میں جہالت کا عموم اور حرص وہوس کا حد سے زیادہ سرایت کرنا ہوتا ہے، یہ ایک ایسا ناسور ہے کہ جو بھی اس میں گرفتار ہوجائے تو اس کو اپنے والدین، بھائی، بہن، رشتہ داروں کے درمیان بھی کوئی تمیز باقی نہیں رہتا، وہ اپنے ذاتی فائدے کے لیے انسانیت کی تمام حدوں کو پار کرنا اپنا فریضہ سمجھتا ہے، اور نوبت قتل وقتال تک پہنچ جاتی ہے، موجودہ دور میں یہ چیز اس قدر عام ہوگئی ہے کہ شاید ہی کوئی دن ایسا خالی جاتا ہو جس میں اس طرح کی خبریں اخبارات کے اندر نہ شائع ہوتی ہوں، درحقیقت یہ سب قرب قیامت کی علامات ہیں، جن سے ہر مسلمان کو عبرت حاصل کرکے اپنی اصلاح کی فکر ہونا چاہیے۔

مغرب کی اسلام دشمنی

محمد نفیس خاں ندوی

صلیبی جنگوں میں مسلسل شکست کے بعد مسیحی دنیا نے اپنے جنگی نظریات میں نمایاں تبدیلی کی، تیر وتفنگ کے بجائے اس نے فکری اور ثقافتی جنگ کی تیاری شروع کی اور اس سلسلہ میں عیسائیوں نے مسلمانوں سے ہی مبادی حاصل کیے، صلیبی جنگوں کے باعث انھیں مسلمانوں کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا، اور ان کے کمزور پہلوؤں سے بھر پور واقفیت حاصل ہوئی، چنانچہ انھوں نے مسلمانوں کو فکری اعتبار سے کھوکھلا اور تہذیبی واخلاقی لحاظ سے دیوالیہ کرنے کی جو پالیسی اختیار کی اس کے نتائج گرچہ دیر سے ظاہر ہوئے لیکن اس میں ان کو بڑی حد تک کامیابی حاصل ہوئی، مسلمانوں کی اکثریت مغربی تہذیب سے متاثر ہوئی، ان کے سوچنے کا ڈھنگ، رہن سہن کا انداز، ان کی چلت پھرت سب پر مغربی ثقافت کے اثرات مرتب ہوئے، اخلاقی وفکری اعتبار سے مسلمانوں نے یورپ کی غلامی قبول کی، اور یورپ کی یہی کامیابی اس کے عروج اور مسلمانوں کے زوال کا نقطۂ آغاز قرار پائی۔

مسلمانوں پر فکری وتہذیبی یلغار کے لیے مغرب نے مسلمانوں میں سے ہی افراد تیار کیے، اور یہ حقیقت ہے کہ کسی قوم کی سوچ کو بدلنے کے لیے خارجی کے بجائے داخلی عناصر زیادہ مؤثر ہوتے ہیں، چنانچہ اعلیٰ تعلیم کے نام پر مسلم نوجوانوں کو یورپ کی یونیورسٹیوں میں لے جایا گیا جہاں ان کی ذہن سازی کی گئی، ان کو مغربی سانچہ میں ڈھالا گیا اور پھر مغربی تعلیم کی چکی میں پس کر ایسی نئی نسل تیار ہوئی جن کے نام تو مسلمانوں جیسے تھے لیکن ان کے دلوں میں اسلام کی کوئی حقیقت نہ تھی چنانچہ انھوں نے مغربی معاشرت اختیار کرنے کی دعوت دی، اسی کے آئینہ میں اسلامی پیغامات کو سمجھنے کی اور اس میں ترمیم کرنے کی پرزور وکالت کی اور دانستہ یا نادانستہ طور پر مسلم ممالک میں مغربیت کی جڑوں کو مضبوط کرنے کی سعی پیہم کی۔ ان افراد نے خاص کر مسلم نوجوانوں پر گہرے اثرات چھوڑے اور پوری کی پوری نسل ان کی لَے میں لَے ملانے لگی۔

علمائے حق نے مغربیت کی اس فکری وثقافتی یلغار کا جم کر مقابلہ کیا، اس کے پھیلتے ہوئے زہریلے اثرات کو بہت حد تک زائل بھی کر دیا تاہم اس کی جڑیں مسلم معاشرہ میں اتنی گہری اور مضبوط ہو چکی تھیں کہ وہ بہت سی جگہوں سے کھوکھلی اور کمزور ضرور ہوئیں لیکن اکھڑ نہ سکیں اور مسلمانوں کی بہت سی وہ صلاحیتیں اس میں صرف ہوئیں جو پوری قوم و دنیا کے حق میں مفید ہو سکتی تھیں۔

استشراق اور تغریب کا یہ سلسلہ جو صلیبی جنگوں کے بعد شروع ہوا تھا وہ اب بھی قائم ہے، البتہ اس نوعیتیں مختلف ہیں، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آج مسلمانوں میں مختلف طبقے قائم ہو چکے ہیں جو اپنی فہم وسمجھ کے اعتبار سے دین کی تفہیم وتشریح کرتے ہیں، اور اب اسی لحاظ سے امریکہ ویورپ میں پالیسیاں وضع کی جاتی ہیں چنانچہ معروف امریکی ادارہ ''رینڈ کارپوریشن'' کی ایک رپورٹ (CivilDemocraticIslam) میں مسلم دانشوروں کے چار طبقوں کا نقشہ پیش کیا گیا ہے:

۱-مارڈرنسٹ: (Mordernist) یعنی وہ مسلمان جو مغرب کی ہر پسندیدہ چیز کے بارے میں یہ کہنے والے ہیں کہ یہ عین اسلام ہے، یعنی ایسا اسلامی ایڈیشن جو مغربی تہذیب کے ساتھ ہم آہنگ ہو۔

۲-سیکولرسٹ: (Secularist) وہ مسلمان جو دین اور دنیا میں تفریق کرتے ہیں، یعنی دین اسلام کا دنیوی امور میں کوئی دخل نہیں، اس کا میدان الگ ہے۔

۳-ٹریڈیشنلسٹ: (Traditionalist) یہ وہ طبقہ ہے جو ذہنی طور پر انحطاط کا شکار ہے اور سمجھتا ہے کہ ریاست اور حکومت کا دین سے کوئی سروکار نہیں۔

۴- فنڈامنٹلسٹ: (Fundamentalist) مسلمانوں کا وہ طبقہ جو اسلامی حکومت کا قیام اور قرآن وسنت پر مبنی اسلامی قوانین کا نفاذ چاہتا ہے۔

اس طبقہ سے یورپ وامریکہ خوف زدہ ہیں، ان کے اصل حریف یہی مسلمان ہیں اسی لیے ''دہشت گرد'' اور ''انتہا پسند'' اور ان جیسے عنوانوں کے ذریعہ اس طبقہ کو بدنام کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور دوسرے طبقوں کو اس کے خلاف کھڑا کیا جاتا ہے تاکہ ان کا کوئی وزن قائم نہ ہو سکے، آپس کی لڑائی میں ان کی ساری توانائیاں صرف ہو جائیں اور دنیا کے منظر نامے میں ان کو کوئی اہم مقام حاصل نہ ہو سکے۔

تلاوت وتدبر قرآن کے

چند واقعات اور نمونے

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بڑے رقیق القلب تھے، قرآن پڑھتے وقت آنکھوں کو قابو میں نہ رکھ سکتے اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔

☆ حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ پر صبح کی نماز میں ایک مرتبہ ایسا گریہ طاری ہوا کہ میں نے ان کی ہچکی کی آواز تین صفوں کے پیچھے سنی۔

☆ حضرت حسنؒ بصری سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے رات کے ورد میں کبھی کبھی کوئی آیت پڑھتے تو اتنا روتے کہ گر جاتے اور آپ کو گھر میں اتنا ٹھہرنا پڑتا کہ لوگ عیادت کے لیے آتے۔

☆ محمد ابن سیرین کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ پوری رات ایک رکعت میں گذار دیتے تھے، جس میں پورا قرآن شریف پڑھ لیتے تھے۔

☆ ابن عمیرؒ کہتے ہیں کہ مجھے سورہ یوسف حضرت عثمانؓ کے پیچھے نماز پڑھنے سے یاد ہوگئی کیونکہ وہ کثرت سے فجر کی نماز میں یہ سورہ پڑھتے تھے۔

☆ حضرت علیؓ مرتضی کو وفات نبوی کے بعد قرآن شریف کے حفظ میں اتنا انہماک ہوا کہ کئی روز تک گھر سے باہر نہیں نکلے۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن رواحہ، عبداللہ بن عباس، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم جیسے صحابہ کبار متعدد تابعین عظام سعیدؒ بن جبیر، مالکؒ بن انس، منصورؒ ابن المعتمر کے متعلق رقت وخشوع اور گریہ وبکا کی ایسی ہی روایات حدیث حدیث وتاریخ کی کتاب میں آئی ہیں۔

☆ خلیدؒ نماز پڑھ رہے تھے، جب انہوں نے آیت ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾ پڑھی تو اس کو بار بار دہراتے رہے، کسی نے گھر کے ایک گوشہ سے آواز دی، کہاں تک اس آیت کو دہراتے رہوگے، نہ معلوم کتنوں کے جگر شق ہوگئے۔

☆ حضرت مسروقؒ بعض دن عشاء سے لے کر فجر تک سورہ رعد ہی پڑھتے رہے۔

☆ حضرت حسنؒ بصری نے ایک پوری رات ﴿اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ کی تکرار اور ورد میں گذار دی اور صبح ہوگئی، لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا اس میں بڑی عبرت وموعظت ہے ہم جب بھی نظر اٹھا کر دیکھتے ہیں تو کسی نہ کسی اللہ کی نعمت کا نزول ہوتا ہے اور جو ہم نہیں جانتے اس کی تعداد اس سے بھی زیادہ ہے۔

☆ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ ایک روز تلاوت قرآن کر رہے تھے کہ آپ پر کیفیت طاری ہوئی، مولوی سید تجمل حسین صاحب سے فرمایا کہ جو لذت ہم کو قرآن میں آتی ہے اگر تم کو وہ لذت ذرہ بھر آوے تو ہماری طرح نہ بیٹھ سکو، کپڑے پھاڑ کر جنگل نکل جاؤ، آپ نے آہ کی اور حجرہ میں تشریف لے گئے اور کئی روز تک بیمار رہے۔

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Postal Reg. No.
RBL/NP - 09

Volume: 08 FEBRUARY 2016 Issue: 02

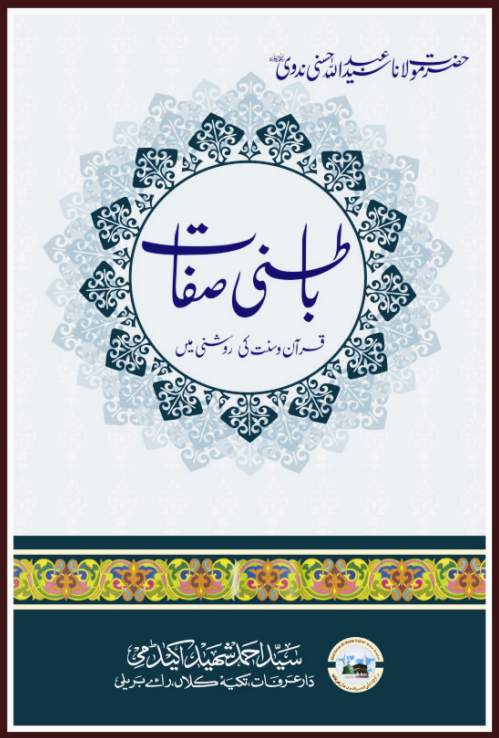

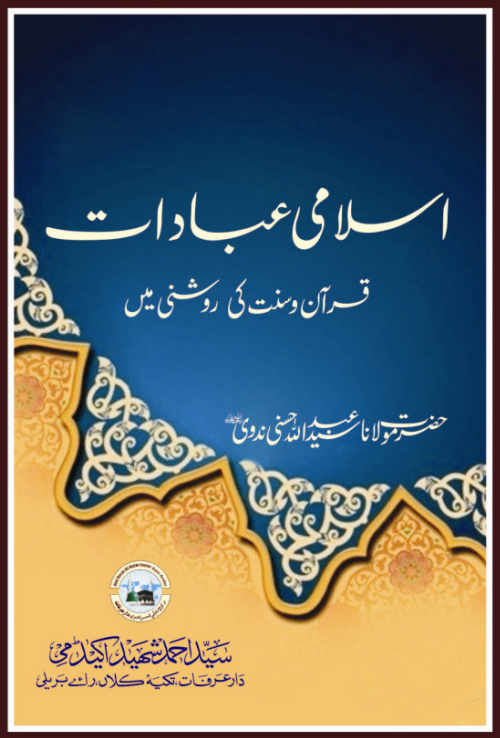

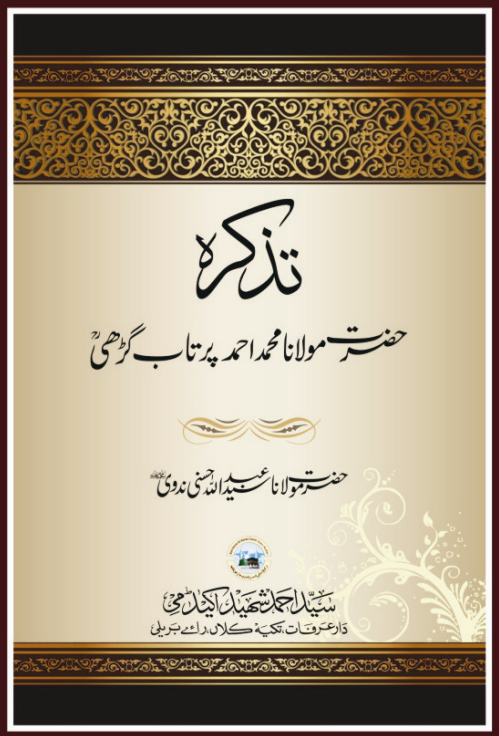

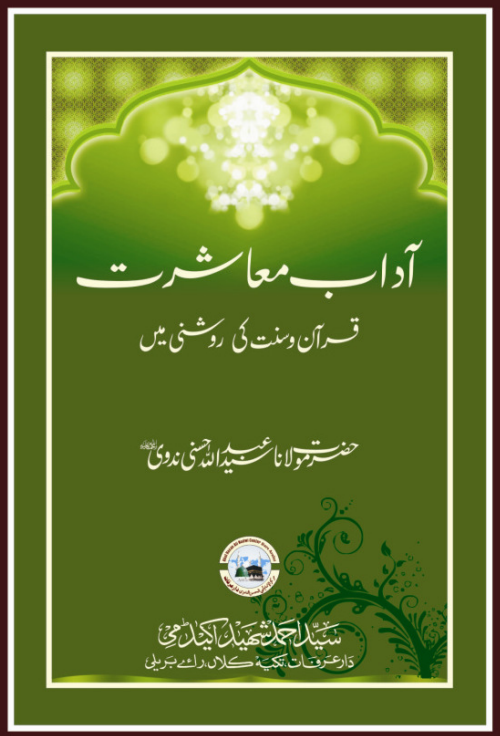

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9792646858
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)